ہر پاؤں میں ہے زنجیر کوئی

آسیہ رئیس خان

مکمل ناول

"مس میں یہاں......" اس نے کچھ دیر انتظار کیا کہ کسی کی موجودگی کا احساس ہونے پر وہ چپ ہو جائے گی، چند صبر کے گھونٹ بھرے کہ بجز اس شاید اب نکل ہی گئی ہو گی مگر مجال ہے جو ادھر سانس لینے کا وقفہ بھی لیا گیا ہو۔ اسے چپ کرانے کے لیے مداخلت ناگزیر جانتے ہوئے ستون کے دوسری طرف کھڑے ایثار نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ عتاب کا رخ اس کی طرف ہو گیا۔

"مس کسے کہا؟" اس نے ریلنگ سے ہٹا کر ہاتھ کمر پر رکھا۔ اسے اس مہذب انداز تخاطب پر اعتراض تھا۔

وہ لڑاکا قطعی نہیں تھی لیکن کم بولتا یا تولتا اس کی کتاب زندگی میں نہیں تھا۔ وہ دفتر سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی باہر نکلی تھی۔ اس کے پیچھے آفرین تھی جسے وہ سنا رہی تھی مگر وہ دور سے ہی ستون کے اس طرف کسی کو کھڑا دیکھ کر شرمندگی سے بچنے کی خاطر وہے پاؤں پلٹ گئی تھی اور وہ ستون کے اس طرف ریلنگ کو کسی کی گردن سمجھ کر مضبوطی سے تھامے اپنی کہے جا رہی تھی۔

"میرا نام سومہ ہے، یہ کامن پلیس ہے آپ کا آفس نہیں، آپ کو خاموشی چاہیے تو اپنے آفس میں بیٹھیں اور دو منٹ دکھی دل کی آواز سنیں گے تو کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹے گا، کبھی کسی نے آپ کی محنت کو لات ماری ہے؟ نہیں نا تو شکر کریں اور دیکھیں مجھے......" اس نے اپنی سمت اشارہ کیا۔

"کہ بندہ کیسے تڑپتا ہے جب اس کے کام کی قدر نہ جائے تو...... کتنا گناہ ملے گا اس لات مارنے والے کو اور میری آہوں کی پہنچ بھی دیکھیے گا......" اس نے آسمان کی سمت ہاتھ اٹھایا۔

"وہ بلبلاتا ہوا گرے گا یہاں۔" اب اس کی انگلی نیچے کھلے حصے کی طرف تھی۔

"انصاف ہو گا، ضرور ہو گا، پورے دو گھنٹے لگائے تھے میں نے وہ رپورٹ تیار کرنے میں اور دو سیکنڈ بھی نہیں دیکھا اسے رد کرنے سے پہلے......"

اس کے رکنے کے آثار نہیں تھے۔ ایثار ایک گہری سانس لے کر پیچھے ہوا تا کہ وہ اسے دیکھ سکے۔ ستون کی اوٹ سے نکل کر سامنے آئے بندے کو دیکھ کر خجل ہونے کے بجائے وہ اور شیر ہو گئی، ذرا سا حیران شیر۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اب اس نے غور کیا کہ آواز تو جانی پہچانی تھی۔

"تمہیں بتانا ضروری ہے؟"

"نہیں۔" اس سوال کی نامعقولیت کا اسے بھی احساس ہوا۔

ان دونوں کو ہی دوسروں کے معاملات کی کھوج نہیں ہوتی تھی۔ کمر سے ہاتھ ہٹا کر وہ سیدھی ہوئی اور وہ ستون کی آڑ سے نکل کر پورا سامنے آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نیلا فولڈر دیکھ کر اس نے جھپٹ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور اوپر دھرے پرنٹ شدہ کاغذات پر نظر پڑتے ہی سارا ماجرا سمجھ میں آ گیا۔

"اوہ تو تم نئے اونر ہو!" ایثار نے ملامتی نظروں سے اسے گھورا۔ جتاتے انداز میں فولڈر اس کے سامنے کیا۔

"انصاف کی بات ہے تو تمہیں وہاں ہونا چاہیے۔" ذرا دیر پہلے نیچے جہاں اس نے انگلی سے اشارہ کیا تھا، ایثار نے آنکھوں سے وہ جگہ بتائی۔

"تمہاری ایک سلی مسٹیک کی وجہ سے سارا کیلکولیشن اور رزلٹ غلط ہو گیا ہے جو وقت برباد ہوا وہ الگ۔ اتنا بیسک نہیں معلوم تو تم کام کیسے کرتی ہو؟"

اس نے گہری سانسیں لے کر تازہ ترین دماغ کی روشنی میں صورت حال کا خیالی جائزہ لیا اور فیصلہ کر لیا۔ وہ منٹوں میں فیصلے کرنے کی عادی تھی اور کبھی بات یہ کہ پچھتائی نہیں تھی۔

"میرا زبانی استعفیٰ قبول کر لو۔ یہیں۔" بنا طنز اور غور کے اس کا لہجہ سادہ تھا۔

"قبول کیا۔" اس نے بھی اسی انداز میں لب دبا اور تاسف بھرا چہرہ کرتے ہوئے فولڈر پر جھک گیا۔

وہ پلٹ کر واپس دفتر میں آئی۔ آفرین جو اس کی باتیں سننے تیار تھی، اس کا پرسکون چہرہ دیکھ کر متعجب ہوئی۔

"کہاں چلیں؟ ابھی چھٹی کا ٹائم نہیں ہوا ہے۔" شولڈر بیگ اٹھاتا دیکھ اس نے یاد دلایا۔

"اللہ حافظ۔ میں نے ریزائن کر دیا ہے۔" وہ اسے اور باقیوں کو حیران چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے دیکھا۔ وہ دوسری منزل پر اب بھی وہیں کھڑا فون پر بات کر رہا تھا۔ گھر پر بھی ان کی بات چیت نہ کے برابر تھی حالاں کہ ان کے مکانوں کا داخلی گیٹ ایک ہی تھا۔

وہ اس کے تایا کا چھوٹا بیٹا تھا مگر ان دونوں کو ایک دوسرے کی کوئی خیر خبر نہیں رہتی تھی۔ اسے اتنا پتا تھا کہ وہ بزنس کرتا ہے، بزنس کی تفصیل نہیں جانتی تھی۔

نوکری وہ وقت گزاری اور خود کو مصروف رکھنے کے لیے کر رہی تھی۔ ایک چھوٹی سی ای کامرس کمپنی تھی جو اسٹیشنری اور موبائل فون ایسیسریز آن لائن شاپنگ سائٹس پر فروخت کرتی تھی۔ ایک تین منزلہ کمرشل کمپلکس میں آفس، دکانیں اور گودام تھے جو گھر سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ ہفتہ بھر پہلے پتا چلا تھا کہ مالک نے کمپنی کسی بڑی فرم کو بیچ دی ہے۔ عملہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وہ سب عموماً گودام میں ہوتے تھے۔ جہاں آرڈرز کا حساب کتاب رکھنا، انوائس پرنٹ کرنا اور انوینٹری وغیرہ کی ذمہ داری اس کے سپرد تھی۔

دفتر اسی منزل پر سامنے تھا۔ آج اس سے پچھلے دو ماہ کے آرڈرز، ریٹرنز اور واپسی کی وجوہات کا

ریکارڈ بانگا گیا تھا۔ جو اس نے دیا لیکن ایکسیل شیٹ میں کچھ غلطی کر بیٹھی۔ جب چپڑاسی نے اس کا کام دیکھنے کے بعد نئے آقا کا ردعمل اور دو چار جملے گوش گزار کیے تو وہ تپ اٹھی تھی۔ ایک نظر ڈالتے ہی اس نے فائل میز پر پٹخ دی تھی یہ کہتے ہوئے کہ

"کس بے وقوف نے بنایا ہے یہ جسے بیسک کا بھی علم نہیں، نوکری پر کس نے رکھا تھا اسے......" اور جانے کیا کیا۔

لیکن نئے مالک کی جگہ ایثار کو دیکھ کر اس کا غصہ ختم ہو گیا تھا۔ اسے اپنے بارے میں یقین تھا کہ باقی سب کی طرح اس کے دل میں کسی کے لیے کوئی پرخاش نہیں ہے مگر خاندان کے سارے نمونوں کے لیے اس کے پاس ایک رائے تھی، بس یہ ہی ایک انسان تھا جس کے متعلق اس کی کوئی رائے نہیں تھی اور وہ اسے یونہی رہنے دینا چاہتی تھی۔ جیسے وہ اپنی بہنوں سے الگ تھی، ایسے ہی وہ بھی تایا ابو کے گھر میں سب سے مختلف تھا۔

انسانوں کا رویہ ان کی سوچ، یقین اور فلسفے کا عکاس ہوتا ہے اور اسے لگتا تھا جیسے وہ اس معاملے میں گھر کے باقی لوگوں سے مختلف ہے شاید وہ بھی ایسا ہی تھا کہ وہ سب کی طرح طنز، تمسخر والی کڑوی کسیلی باتیں نہیں کرتا تھا بلکہ وہ تو کسی سے بات ہی نہیں کرتا تھا۔ اسے ذہنی طور پر تھکانے والوں کی ایک لمبی فہرست تھی۔ مزید ایک اور اس میں شامل نہ ہو، یہ اچھا ہی تھا۔

گھر میں ان کا سامنا کبھی کبھار ہوتا تھا اور بات تو نہ ہونے کے برابر، اس لیے اس نے اس سے بار بار ملاقات اور مکالمات کے امکانات ختم کر دیے تھے اور تقدیر اس کی اس دانائی پر بڑے پیار سے مسکرائی تھی کہ اس نادان کے لیے تو اس نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

☆☆☆

"ممی! اس نے پھر جاب چھوڑ دی۔" عمارہ نے اونچی آواز میں ماں کو اطلاع دی۔

"ایسے اچانک؟" وہ باہر سے دھلے کپڑوں کا ڈھیر لیے اندر آئی تھیں۔

"بس دل بھر گیا تھا ممی۔" اس کا سنے اپنی جانب سے بات ختم کی۔

"ذرا بھی مستقل مزاجی نہیں تمہارے اندر سومہ۔" اگلا جملہ اسے پتا تھا۔

"عمارہ کو دیکھو، پچھلے دو سال سے ایک جگہ جاب کر رہی ہے۔" وہ کپڑوں کے ڈھیر سے اپنے کپڑے الگ کرنے لگی تھی۔

"اب یا تو جاب کرو ہی مت اور اگر کرنا ہے تو سنجیدگی سے کرو۔"

"ممی! عمارہ اور مجھ میں فرق ہے، میں شوقیہ ٹائم پاس کے لیے آفس جاتی ہوں، اسی لیے جب دل بھر جائے تو چھوڑ دیتی ہوں، مجھے نیند آرہی ہے اب۔" وہ اپنے کپڑے لیے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا ہوگا اس لڑکی کا؟" ہزار بار کا سنا جملہ پھر اس کے کانوں میں پڑا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ صرف جملہ ہے، حقیقی فکر اور تشویش سے خالی جملہ۔

وہ اکثر سوچتی تھی کہ کیا وہ پیدائشی طور پر ہی سب سے الگ مزاج لے کر آئی تھی، یا والدین میں سے کسی کے قریب نہیں تھی اس لیے ان کی سوچ کے اثرات اس پر نہیں پڑے تھے۔ عمارہ پہلی اولاد تھی اس لیے ماں باپ کو سب سے زیادہ عزیز اور لاڈلی تھی۔ کچھ اسے اپنی اہمیت اور بات منوانے کا فن بھی خوب آتا تھا۔ مازیہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے بے حد لاڈلی تھی۔

وہ درمیانی تھی اور اس کے حصے میں توجہ اور محبت بھی درمیانی آئی تھی۔ اسے ضد کرنا اور لاڈ اٹھوانا بھی کبھی نہیں آیا لیکن اس نے والدین کے برتاؤ کے فرق کو چپ چاپ برداشت بھی نہیں کیا تھا۔ وہ سب باہر نکال دیا کرتی تھی۔ وہ باتونی مشہور تھی۔ صاعقہ اور دونوں بیٹیاں ہم مزاج تھیں شاید اس لیے وہ ایک دوسرے کے قریب تھیں۔ جب کہ اس کا مزاج گھر میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔

صاعقہ اور اصغر بیگ نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی۔ دادا ابا اس رشتے کے لیے انکار کر چکے تھے اور صاعقہ کے والدین کو بھی لڑکی کی

...ے کی شادی میں دلچسپی نہیں تھی۔ چوں کہ پہلے ...ے کا چہرہ دیکھنے کے بعد دادی دارِ فانی سے کوچ کر ...تھیں اس لیے اِدھر دادا ابا نے اپنی ذمہ داری سمجھ ...ی، بہو اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ لڑکی دیکھ کر ...ن کا رشتہ طے کر دیا اور اُدھر انہوں نے چپکے سے صاعقہ سے نکاح کر لیا۔

جب شادی کی تاریخ طے کرنے کی باتیں ہونے لگیں تو انہوں نے اپنا کارنامہ مع ثبوت ان کے حضور پیش کر دیا۔ اس وقت جوانی کا جوش تھا اور ...ر محبت کا بھوت سوار تھا کہ وہ کسی کی سننے کو تیار تھے ...پیچھے ہٹے۔ خاندان میں اور باہر یہ بات نہ پھیلے اور ...دائی نہ ہو، اس سے بچنے اور عزت رکھنے کی خاطر دادا ابا دنیا کے سامنے دھوم دھام سے صاعقہ کو بیاہ کر گھر لے آئے۔ دونوں کے گھر والوں نے خود کو ...ربی سے اور حالات مزید بگڑنے سے تو بچا لیے لیکن اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔

بچوں کے مرضی سے کیے فیصلے درست نکلیں یا ...اپنی مرضی کرنے کے بعد خوش رہیں تو اکثر والدین ...کی دل پگھل جاتے ہیں، ان کی ناراضی ختم ہونے لگتی ...ے۔ صاعقہ بھی اپنے الگ گھر میں شوہر کے ساتھ خوش تھیں۔ انہیں جو چاہیے تھا وہ مل گیا تھا، من پسند شوہر کے ساتھ الگ گھر جہاں ساس سسر اور نند جیسی کا کوئی جھنجھٹ نہیں تھا۔

اصغر بیگ نیک، شریف اور ذمہ دار مرد تھے۔ والدین کا سب سے بڑا خدشہ یہ ہی ہوتا ہے کہ لڑکی کو والدین کے خلاف جا کر شادی پر مجبور کرنے والا لڑکا آوارہ بدمعاش ہوتا ہے، وہ اسے استعمال کر کے پھینک دیتا ہے۔ یہاں ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے تھے اس لیے آہستہ آہستہ صاعقہ کے تعلقات اپنے والدین سے چند برسوں بعد بحال ہو گئے اور بیٹیوں کی پیدائش کے بعد تو خوش گوار بھی مگر دادا ابا کچھ بھولے نہ تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو معاف کیا تھا بلکہ اب ان کے بچے بھی ناکردہ گناہ کے مجرم تھے۔

ایک ہی مکان میں دو الگ حصے تھے۔ دنیا کے لیے بظاہر سب ٹھیک تھا لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ چند سالوں بعد اصغر بیگ کو اپنی غلطی کا احساس کچوکے لگانے لگا تھا۔ صاعقہ کو اپنے والدین کے ساتھ ہنستا مسکراتا دیکھ کر انہیں باپ کی ناراضی بہت کھلنے لگی تھی۔ انہیں لگتا کہ ان کا پہنچایا دکھ اور تکلیف اتنی شدید ہے کہ وہ آج تک اسے بھولے ہیں نہ انہیں معاف کیا ہے۔

باپ کی لاتعلقی اور سرد رویہ ہر دن ان کے ملال اور پچھتاوے کو بڑھاتا گیا اور دھیرے دھیرے بڑے غیر محسوس طریقے سے یہ پچھتاوا باپ کو منانے اور انہیں خوش کرنے کے جنون میں ڈھل گیا اور بیوی بچے بہت پیچھے چھوٹ گئے۔

اس نے جب سے ہوش سنبھالا ماں باپ کو پیار محبت کے مظاہروں سے زیادہ الجھتے دیکھا تھا۔

سمجھ داری آتے آتے ہر بار الجھنے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی کہ ابو پسند سے شادی کرنے اور محبوبہ کو حاصل کر لینے کے بعد اب سارا وقت روٹھے اور ناخوش والد کو راضی اور خوش رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس کوشش میں انہوں نے بیوی بچوں کی خوشی اور خواہشوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔

ان پر اب محبت نہیں بلکہ باپ کو دکھی اور خفا کرنے کا پچھتاوا حاوی تھا اور دادا ابا بھی گن گن کر اور تاک تاک کر چھوٹی بہو اور اس کے بچوں سے بدلے لیتے تھے۔

ادھر کسی کی سالگرہ ہو، صاعقہ کے میکے کی کوئی دعوت یا محفل، بچوں کی کوئی ضروری تقریب، وہ انہیں کسی کام میں الجھا دیتے یا خوامخواہ اپنے پاس دیر تک بٹھائے رکھتے یا انہیں اسی وقت لے کر کسی ضروری کام سے نکل جاتے۔ ان کا ایک ہی مقصد ہوتا تھا کہ بیٹے کو زیادہ سے زیادہ بیوی بچوں سے دور رکھا جائے۔ وہ یہ جتاتے تھے کہ باپ اصغر بیگ کے لیے سب سے اولیٰ اور اہم ہے۔

ان کے حصے میں انہوں نے آج تک قدم نہیں رکھا تھا، اصغر بیگ ہی ان سے ملنے ادھر جاتے تھے۔ غرض اس معاملے میں وہ گھنی اور چالاک عورتوں کو

KDAILYINFO.COM
Watermarkly

بھی مات دیتے تھے۔

اصغر بیگ کے لیے اب باپ کو انکار کرنا گناہِ عظیم تھا۔ اس کے بعد جب وہ اپنے حصے میں آتے تو بیوی بچے سب منہ پھلائے اور غصے سے بھرے ہوتے۔

صاعقہ کو پہلے ہی سسرال سے کوئی لگاؤ نہیں تھا مگر سسر کے رویے اور شوہر کی اس عادت نے بے ضرر لاتعلقی اور سرد مہری کو نفرت اور برائی میں بدل دیا۔ کسی کی خوشی غمی سے سروکار نہ رکھنا اور کسی کی خوشی نہ چاہنا، اس کے غم پر سکون محسوس کرنا، دونوں تعلط کہی مگر بہت مختلف مزاج اور رویے ہیں۔

دادا ابا کا رویہ بچوں کے ساتھ بھی روکھا، حاکمانہ اور اکثر تحقیر بھرا ہوتا تھا۔ انہیں وہ کبھی نام سے نہیں پکارتے تھے۔ تینوں پوتیوں کو ہمیشہ اے لڑکی! کہہ کر مخاطب کرتے۔ ان تینوں نے دادا ابا کا مشفق اور نرم روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے مقابلے میں انہیں بڑی بہو، بیٹا اور ان کے بچے بہت عزیز تھے۔ بڑی بہو ان کی پسند تھی جسے بیٹے نے قبول کیا تھا اور اس بہو نے انہیں دو پوتوں سے بھی نوازا تھا۔ ان کے خاص موقعے خوب دھوم سے اور بڑے پیمانے پر منائے جاتے تھے۔

وہ ان سے زیادہ بے تکلف تھے، دیگر معاملات میں بھی وہ دونوں بیٹوں کے بچوں سے واضح اور جتاتا فرق روا رکھتے تھے۔ دونوں بیٹیوں یعنی سومہ کی پھوپھیوں کا رویہ بھی باپ کے مطابق تھا۔ بڑے بھائی بھابھی زیادہ قریب اور پیارے تھے، انہیں ساری رعایتیں اور سہولتیں حاصل تھیں مگر چھوٹے بھائی کے خاندان کے لیے ہر معاملے میں تنگی تھی، محبت، سہولت، رعایت سب میں۔

لیکن بڑی بہو یعنی الفت کے لیے حالات اس وقت بدلے جب ایسی ہی کہانی ذرا سی انفرادیت کے ساتھ ان کے بڑے بیٹے نے دہرائی۔ نثار نے ماں کی منتخب کردہ خالہ زاد کو ٹھکرا کر اپنی پھوپھی زاد کو پسند کر لیا تھا بلکہ یہ محبت کی کہانی کئی سالوں سے جاری تھی۔ شوہر اور [illegible] بیٹے کے حامی تھے۔

انہیں دل پر پتھر رکھ کر نند کی بیٹی کو بہو بنانا پڑا۔ اب وہ روایتی ساس تھیں جسے بہو کے ہر ہر گل میں بیٹے کو ان سے دور کرنے کی سازشیں نظر آتی تھیں اور یہ یقین بھی کہ نند اور اس کی بیٹی نے سازش کر کے ان کے بھولے معصوم بیٹے کو پھنسایا تھا۔ ساتھ ہی ڈھیروں شکوے بیٹے سے بھی تھے۔

جب کہ دادا ابا کو اپنی نواسی پوتوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

شام میں دفتر سے واپسی پر اصغر بیگ معمول کی طرح دادا ابا کے پاس رکے تھے۔ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد ادھر آتے تھے۔ آج کچھ زیادہ دیر ہو گئی تھی اور اس وقت اپنے بند کمرے میں بھی اسے ماں باپ کی بحث سنائی دے رہی تھی جس میں کچھ نیا نہیں تھا۔ اب تو لگے جملے کیا ہوں گے اسے یہ بھی ازبر ہو گیا تھا۔

بچپن سے یہ سب ایسے ہی چل رہا تھا۔ ہاں کی بات یہ ہوئی تھی کہ اب کبھی کبھار عمارہ اور مازیہ اگر اس وقت موجود ہوتیں تو وہ بھی بحث اور لڑائی میں کود پڑتی تھیں۔ ان کی زبان سے بھی دادا ابا اور ادھر والوں کے لیے پھول نہیں جھڑتے تھے بلکہ ماں کی طرح کانٹوں جیسے نوکیلے الفاظ سے لیس فقرے نکلتے تھے۔

اس بات پر اصغر بیگ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا سب کی مخالفت کے بعد اتنی مشکلوں سے وہ ساتھ تھے تو جتنا وقت میسر تھا اسے ہنسی خوشی کیوں نہیں گزارتے تھے۔

صاعقہ اور ان کی دونوں بیٹیوں کی ناپسندیدگی اور اختلاف نفرت کی حد کو اس وقت چھونے لگا جب عمارہ کی شادی کا ذکر چھڑا۔

عمارہ کے لیے اس کے ساتھ دفتر میں کام کرنے والے یاسین کا رشتہ آیا تھا جس میں عمارہ کی مرضی اور پسند بھی شامل تھی۔ اصغر بیگ نے بیوی کے منع کرنے کے بعد بھی یہ بات والد کو بتا دی۔ ایک حکم عدولی اور نافرمانی کے بدلے انہوں نے ذہنی طور پر ان کی عمر بھر کی غلامی قبول کر لی تھی۔ انہوں نے خوب ناراضی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس مما

[illegible]لد کی تربیت کی کمی اور والدین کا بچوں کے لیے [illegible]مثل قدم چھوڑنے جیسے الزام بھی تھے۔

[illegible]اس وقت ہوئی جب عمارہ نے دادا ابا کے [illegible]امتیازی سلوک کی شکایت کر دی کہ لبنیٰ کی پسند [illegible]قبول ہے تو اس کی کیوں نہیں۔

بس اس دن سے حالات بدترین ہو گئے اور اصغر [illegible] باپ کو منانے میں جدید جھکتے گئے۔ رشتے کی بات [illegible] شادی تک پہنچی نہیں تھی، درمیان میں ہی رہ گئی تھی [illegible] عمارہ صاعقہ اور مازیہ کے نزدیک یہ رشتہ طے تھا۔ [illegible] بھی لگتا تھا عمارہ کی شادی وہیں ہوگی۔ ضد اور من [illegible] میں وہ دادا ابا کے ہم پلہ جو تھی۔

ادھر رات کھانے کی میز پر الفت کا دبا دبا غصہ [illegible] کے باہر آ رہا تھا کہ لبنیٰ اور نثار لبنیٰ کی میکے کی [illegible] میں گئے تھے۔

"آپ ایک بار فون بھی کر لیں، کب تک [illegible] گے؟" انہوں نے شوہر سے کہا۔

"آ جائیں گے، بچے نہیں ہیں وہ چھوٹے۔"

"تو بڑوں جیسی ذمہ داری کا مظاہرہ بھی تو [illegible] صبح دفتر جانا ہے، جانتے ہیں نا پھر کیسے بھاگم [illegible] ہوتی ہے صبح صبح۔"

"آ جائیں گے بہو۔" دادا ابا نے گویا بات ختم [illegible] کی طرف سے پوتوں کو مکمل آزادی تھی۔ وہ [illegible] ان سے باز پرس نہیں کرتے تھے اور دوسرے [illegible] انہیں یہ بھی پسند نہیں تھا۔ اب تک الفت کو [illegible] یہ عادت بہت اچھی لگتی تھی لیکن بہو کے آنے [illegible] اتنی اچھی نہیں رہی تھی۔

"اشرف تم نے غضنفر علی سے بات کی؟" [illegible] نے بیٹے سے سوال کیا۔

"جی ابا، اس جمعہ کا وقت دیا ہے انھیں۔" [illegible] ایثار کے ہونے والے سسر تھے۔ جمعہ کی یہ [illegible] شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے تھی۔

☆☆☆

[illegible] کے درمیان منقش لکڑی کا تختہ لگا تھا جو دو [illegible] الگ کرتا تھا اور احاطے میں چھوٹی سی کیاری تھی۔ جس میں گل دوپہری اور اس جیسے چھوٹے پودے لگے تھے۔ آنے جانے کے لیے اس کیاری کو پھلانگنا پڑتا تھا۔ ان کے یہاں اصغر بیگ کی اسکوٹی تھی اور ایک سیکنڈ ہینڈ کار جو کبھی کبھار ہی باہر نکلتی تھی لیکن اس طرف دو بائیک اور دو کاریں تھیں اور تین تو روز استعمال ہوتی تھیں۔ وہ کیاری میں پانی ڈال رہی تھی جب الفت نے اسے دیکھا۔

"کام پر نہیں گئیں آج؟" وہ خود سے اسے ہی کبھی کبھار مخاطب کر لیتی تھیں۔ عمارہ اور مازیہ کے ساتھ سلام کے جواب کے علاوہ بس نظروں کے تبادلے ہوتے تھے۔

"نہیں۔"

کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک لگ رہی ہے۔

جاب چھوڑ دی۔؟" انہوں نے ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

"ذرا مستقل مزاجی نہیں ہے تم میں۔" اس کے متعلق دونوں طرف اتفاق تھا۔

"میں شوقیہ کام کر رہی تھی تائی امی! دل بھر گیا، شوق پورا ہو گیا تو چھوڑ دی۔"

"میں جا رہا ہوں امی۔" تب ہی ایثار باہر آیا۔

"اب یہ نہ منہ کھول دے اس بارے میں۔" اس نے سوچا۔

"اس نے پھر نوکری چھوڑ دی ہے، تم دیکھو کہیں کام ہو گا تو اس کے لیے۔" انہیں بازو والوں پر احسان جتانا پسند تھا۔

"نہیں تائی امی!" اس نے تیزی سے کہا۔

"فی الحال میرا موڈ نہیں جاب کا۔"

"بھلائی کا زمانہ ہی نہیں ہے۔" انہیں سیدھے یہ پیشکش ٹھکرانا اچھا نہیں لگا۔ کم از کم اسے مروتاً شکریہ ادا کرتے ہوئے معذرت کرنی چاہیے تھی کہ اسے جاب کی ضرورت نہیں۔

ایثار نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

تائی امی اب فخریہ انداز میں بیٹے کی کامیابی

اور نئے بزنس کے متعلق اسے باخبر کر رہی تھیں۔ مقصد اندر تک ستانا تھا۔ بیٹوں کی ماں ہونے پر ان کی گردن ہمیشہ تنی رہتی تھی۔

عمارہ سے پہلے پھوپھو کی بیٹی شعوانہ پہلی لڑکی تھی جس نے نوکری کی تھی۔ وہ ایک اسکول میں پڑھاتی تھی۔ دادا ابا اور باقی سب کے نزدیک لڑکیوں کے لیے یہ واحد عزت دار نوکری تھی۔ عمارہ کی کارپوریٹ جاب ان کے نزدیک اتنی قابل احترام نہ تھی اور اس کے انواع قسم کے کام تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھے۔

☆☆☆

جلد ہی ایثار کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ تیاریاں دونوں طرف شروع تھیں کہ مقابلہ آرائی کا زمانہ ہے۔ اسے ایک ہی کام بڑا اچھا لگتا تھا جو خوب دل لگا کر کرتی بھی تھی اور وہ تھا سجنا سنورنا۔ ہر تقریب کے لیے وہ بڑے ذوق شوق سے خریداریاں کر رہی تھی۔

ایثار نے خاندان میں اور کزنز سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے یہ شرط ایک شرط رکھی تھی۔ الفت نے اس کے لیے اپنی بھانجی دیکھ رکھی تھی مگر ایثار کے بعد انہیں بیٹے کا یہ فیصلہ اچھا ہی لگا۔ گھر والوں کے رویے اور ماحول دیکھ کر ایثار کا مزاج یہ بن گیا تھا کہ وہ کسی سے الجھتا نہیں تھا نہ ایسا کوئی کام یا بات کرتا تھا کہ کچھ الجھے۔ وہ اختلاف اور بحث سے دور رہتا تھا۔ اس کا رشتہ خوب تلاش بسیار کے بعد خاندان کے باہر ہانیہ سے طے ہوا تھا۔

مہندی والے دن خوب گہما گہمی تھی۔ سب اپنی تیاریوں میں لگے تھے اور کسی کو اپنے اقدام کے نتیجے کا انتظار تھا۔

"آج ہی ہم مہندی لگوا لیتے تو اچھا تھا۔" چوڑیاں پہنتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کہا۔ عمارہ اور مازیہ نے آج اس کے ساتھ پارلر جانے سے منع کر دیا تھا۔

مازیہ کو اپنا ولیمے کا جوڑا اب اچھا نہیں لگ رہا تھا سو ان دونوں نے آج دن بھر کی خواری کے بعد نیا لباس خریدا تھا۔

"ابھی گھر میں ہی کوئی مل جائے گا، اسی سے لگوا لیں گے۔" عمارہ نے مہارت سے لائنر لگاتے ہوئے کہا۔

"نہ۔ مجھے پارلر والی آنٹی سے ہی لگوانا ہے، سب سے اچھی لگاتی ہیں۔" چوڑیاں پہننے کے بعد اس نے لپ اسٹک اٹھائی اور عمارہ کے پیچھے جا کر اس کے شیشے کے سامنے سے ہٹنے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم کم سے کم لپ اسٹک ہی لگا لو۔" مازیہ کا میک اپ سے بیر تھا۔

"لپ بام لگا لوں گی۔"

"عمارہ! ذرا چلو میرے ساتھ۔" تب ہی کچھ پرجوش اور گھبرائی سی صاعقہ اندر آئیں۔

"کیا ہوا؟" وہ تینوں ماں کی طرف دیکھنے لگیں۔

"وہی ہنگامہ کرتا ہے، آؤ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر عمارہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر باہر چلی گئیں۔ مازیہ بھی پیچھے بھاگی۔ جب کہ وہ اطمینان سے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر لپ اسٹک لگانے لگی۔

"اس گھر میں کوئی کام ڈھنگ سے پورا ہو ہی نہیں سکتا۔" اس نے سوچا۔ ڈارک ریڈ لپ اسٹک لگا کر اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور سینڈل پہن کر ہال کی طرف آ گئی۔

وہاں خواتین اور لڑکیاں مختلف گروہ بنائے جوڑے سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔ کوئی مرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بند دروازے کے شیشے سے ہال میں جھانکا۔ وہاں موجود سارے چہروں پر تشویش اور غصہ تھا۔

"دادا ابا کو اب کس نے ناراض کر دیا؟" اس نے دروازے سے دور ہٹتے ہوئے سوچا۔ اس نے ایسے کچھ نظارے نثار بھائی کی شادی میں دیکھے تھے۔ کچھ دیر مین گن لینے کی ناکام کوشش کے بعد اپنے حصے میں آ گئی۔ خالی گھر میں جی بھر کے سیلفیاں لے کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ مازیہ اور چھوٹی پھوپھو فردوس آ گئیں۔ اس کے پوچھنے سے پہلے ہی مازیہ

بہت بڑی۔ "کچھ پتا بھی ہے؟ ہانیہ نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ جب کسی نے اس کی بات سنی نہیں تو اس نے آج خودکشی کی کوشش کی ہے......"

"ہیں!"

"ہاں۔ گولیاں کھا لیں اس نے، ابھی ہاسپٹل میں ہے۔ اس کے چاچا نے روتے ہوئے تایا ابا کو فون کیا تھا، بہت معافی مانگی اور شادی سے معذرت کر لی اور اب دادا ابا کا غصہ نہ پوچھو...... وہ تایا ابا پر بھی اتنا ہی چیخ چلا رہے ہیں جتنا ان کا دل اس وقت ہانیہ کے باپ پر چلانے کا کر رہا ہو گا...... توبہ!" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"بے چارہ ایثار۔" اس نے تاسف سے سوچا۔ اسے اس کے لیے واقعی افسوس ہوا تھا۔

"خوامخواہ اتنی تیاری کی میں نے۔" وہ جھنجھلائی۔

"لیکن یہ سراسر غلط بات ہے، عین نکاح سے ایک دن پہلے ایسی حرکت نہیں کرنا چاہیے تھی، ایسی دھمکیوں سے روکنا ہی تھا تو یہ کام پہلے بھی تو ہو سکتا تھا۔ اب تک کیا وہ سو رہی تھی۔"

"بے چاری اس وقت ہاسپٹل میں ہے اور آپ اسے باتیں سنا رہی ہیں؟" مازیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ بکھیڑا اسی نے کھڑا کیا ہے اور وقت بہت غلط چوز کیا۔ چار مہینے سے تو انگیجمنٹ تھی ان کی، چلو مان لیا تب کسی نے اس کی بات نہ سنی مگر وہ یہی کام جب تاریخ پکی ہوئی اس دن کر لیتی یا اس کے چند دن بعد۔ اب تو اس نے تایا ابا کو ہی نہیں اپنے گھر والوں کو اس سے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔" اسے ذرہ برابر ہمدردی نہیں تھی۔

"حد کرتی ہیں آپ آپی! بے چاری مرتے مرتے بچی ہے اور......"

"دیکھو!" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "انسان کا پکا ارادہ ہو تو وہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔ مرنا اتنا آسان نہیں، جو بدبخت خودکشی کو چنتے ہیں، وہ کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن میں گھرے ہوتے ہیں اور تم نے ہانیہ اور اس کی فیملی کو دیکھا تو ہے وہ لوگ نہ تنگ نظر اور دقیانوسی خیالات والے ہیں نہ ہانیہ اتنی دبو، کمزور، جذباتی اور بے وقوف کہ اپنی بات طریقے سے منوا نہ سکے اور شادی سے بچنے کے لیے موت کو گلے لگا لے، اس لیے مجھے یہ دھمکی اور بہانہ ہی لگ رہا ہے کہ لاسٹ مومنٹ پر اس کا ارادہ بدل گیا یا اسے کوئی اور پسند آ گیا۔"

مازیہ نے تاسف اور بے یقینی سے سر ہلایا۔ "آپ جیسے بے حس لوگ ہی دوسروں کو موت کے منہ کو میں دھکا دیتے ہیں۔" اس کی ہمدردیاں ہانیہ کے ساتھ تھیں۔

"ہیں؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"لیکن میری میں حقیقت بیان کر رہی ہوں، عقل استعمال کی ہے تمہاری طرح ایموشنل اور جذباتی نہیں ہو رہی حالاں کہ ہونا چاہیے۔ میری ساری تیاری دھری رہ گئی۔" اس نے سینڈل نکال کر پیر اوپر کیے۔

اور پھر جلد ہی اس کے ایموشنل اور جذباتی ہونے کا وقت بھی آ گیا۔

دادا ابا اس ہزیمت کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ نکاح کل ہی ہو گا اور اصغر بیگ کی بیٹی سے ہو گا۔ اصغر بیگ بھاگے بھاگے بیوی اور بیٹی کے پاس آئے۔ عمارہ نے سنتے ہی انکار کر دیا۔ اس نے ماں باپ کے ساتھ وہی کارڈ استعمال کیا جس کا ہر لو میرج کرنے والے والدین کو ڈر ہوتا ہے۔

"اگر آپ سب نے زبردستی کی تو میں بھی وہی کروں گی جو ہانیہ نے کیا۔"

اس دھمکی کے بعد صاعقہ اور اصغر ہاتھ باندھے سر جھکائے دادا ابا کے حضور مجرم بنے کھڑے تھے۔

دادا ابا نے بیٹا بہو پر قہر آلود نظر ڈالی اور اتنے افراد کی موجودگی میں خود کو لفظی اظہار خیال سے روکا۔

"تمہیں بھی کوئی پسند ہے؟" اچانک انہوں نے پیچھے کھڑی سومہ سے پوچھا جو والدین کے پیچھے

Watermarkly

وہاں پہنچی تھی۔ وہ مڑ کے پیچھے دیکھنے لگی کہ کس سے سوال کیا ہے۔ پیچھے دیوار تھی، اس نے سامنے دادا ابا کو دیکھا۔

"تم سے پوچھ رہا ہوں۔" ان کی آواز اور لہجہ غضب ناک تھا۔ اس نے زبان تک آچکے 'کیوں؟' کو بمشکل روکا۔

"ابا!" اصغر بیگ سامنے آئے۔ وہ باپ کا مدعا جان گئے تھے بلکہ مان بھی گئے تھے۔

"میں اندر جا کر سومہ سے بات کرتا ہوں۔ جیسا آپ چاہ رہے ہیں، ویسا ہی ہوگا۔"

"ابو!" بات سمجھتے ہی اس نے دھیمی آواز میں احتجاج شروع کرنا چاہا کہ صاعقہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ہال کے دروازے کی سمت بڑھیں۔ دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر ایثار کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے انکار میں سر ہلا کر اسے بھی نہ کرنے کا پیغام دیا۔

"مجھے یہاں کیوں لے آئیں آپ؟ میں وہیں دادا ابا کو نہ کہہ دیتی تو آپ اور ابو پر کوئی الزام نہیں آتا۔"

"تمہارے ابو کو دیکھا نہیں تم نے؟ کس مشکل میں ہیں وہ۔" صاعقہ کا چہرہ تنا ہوا تھا۔

"تمہارے دادا نے اصغر سے کہا ہے اپنی غلطی سدھارنے اور معافی طلب کرنے کا یہ آخری چانس ہے۔"

"ہیں؟" اس کے اندر سرد سی بے چینی سرائیت کر گئی۔

"عمارہ کی پہلے سے کہیں کمٹمنٹ ہے، تمہارا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے تو کس لیے نہ کر رہی ہو؟"

"ممی!" اسے بہت حیرت ہوئی۔ "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟ میں اس گھر سے رشتہ جوڑ لوں جہاں کا ایک بھی فرد آپ کو پسند نہیں ہے؟"

"ایثار ٹھیک ہی ہے۔" انہوں نے اس سے نظریں چرائیں۔ "اس کے بعد سسر راضی ہو جاتے، اصغر کا غصہ اور ناراضی دور ہو جاتی تو انہیں 'مکمل'

شوہر واپس مل سکتا تھا۔

"بس اتنی اہمیت ہے ممی! میری؟" سومہ کو رونا آگیا۔

"آپ دونوں کی غلطی کی تلافی اور معافی کے لیے استعمال ہوتا؟"

"اب اتنا ایموشنل ہونے کی ضرورت بھی نہیں۔" عمارہ آگے آئی۔

"حالات ایسے ہو جائیں گے، کسی نے سوچا نہیں تھا۔ تمہارا یا ایثار کا کہیں کوئی سین ہوتا تو الگ بات تھی، اس وقت دادا ابا کی بات ٹھکرائی تو تعلقات ہی ختم ہو جائیں گے اور ابو ایسا نہیں چاہیں گے، ویسے مجھے تو یہ رشتہ ٹھیک ہی لگ رہا ہے۔"

"یہ رشتہ نہیں ہے" پیچ ورک ہے 'ناک' بچانے کے لیے، بگڑی سچویشن سنبھالنے کے لیے دو زندگیاں بگاڑ رہے ہیں سب۔" اسی وقت اصغر بیگ اندر آئے۔ ان کے چہرے پر سکون تھا۔ عمارہ کے انکار کے بعد والی بدحواسی اور پریشانی غائب ہو گئی تھی۔

"کل صبح نکاح ہوگا اور شام میں کامن ریسپشن۔"

"ابو!" وہ زور سے چیخنا چاہ رہی تھی مگر رو پڑی۔

"اب تم کوئی بدمزگی نہ کرو سومہ" وہ اس کے سامنے آئے۔

"ایثار اچھا لڑکا ہے اور میں ابا کی بات ٹال نہیں سکتا۔ مازیہ! اسے کمرے میں لے جاؤ۔" چپ کھڑی مازیہ کو انہوں نے مخاطب کیا۔

"اپنا وقت تھا تو ٹال گئے، عمارہ کے لیے بھی بس میرے لیے نہیں ٹال سکتے۔"

کچھ دکھ اور سچائیاں گونگا کر دیتی ہیں۔ بے وقعتی کا احساس اتنا شدید تھا کہ شکوہ کرنا بھی گوارا نہ ہوا۔

"مجھ میں ہی عمارہ کی طرح اپنا کیس لڑنے کی صلاحیت نہیں ہے تو کسی سے شکایت کیا کروں۔" وہ سوچتے ہوئے خود ہی اپنے کمرے کی سمت چل پڑی۔ ایک ہی بات اس نے اپنے لیے سوچ رکھی تھی

اب کسی کو اپنے ساتھ زیادتی اور ناانصافی نہیں رنے دے گی اور پہلے موقعے پر ہی اپنوں کے انوں مجبور اور بے بس ہو گئی تھی۔

"آپ سب میری مرضی کے بغیر میری شادی کر رہے ہیں، یہ زبردستی اور ظلم ہے میرے ساتھ۔" اس نے جاتے جاتے آنسو روکنے کی ناکام کوشش کے درمیان کہا تھا۔

وہ اس حقیقت کو بہت پہلے تسلیم کر چکی تھی کہ والدین کے نزدیک عمارہ اور مازیہ جیسی حیثیت اس کی نہیں۔ وہ ہمیشہ 'ان چاہی اولاد' تھی اور رہے گی۔

کمرے میں بستر پر گر کر روتے ہوئے اسے خیال آیا تو اس نے فون اٹھایا۔ ایثار کا نمبر نکالا اور اسے پیغام لکھا۔ وہ آخری سانس تک لڑنے پر یقین رکھتی تھی۔

"میری کوئی نہیں سن رہا مگر دادا ابا تمہاری بات مان جائیں گے۔" ذرا دیر بعد جواب موصول ہوا۔

"دیر ہو گئی، میں دادا ابا کی بات مان گیا ہوں۔"

"کوئی میرا ساتھ نہیں دے رہا۔" سومہ نے بے بسی سے کہا۔

"شادی رکوانے کے علاوہ ہر معاملے میں مجھے اپنے ساتھ سمجھو۔"

"تم کب سے اتنے اچھے ہو گئے؟"

"تمہارے لیے ابھی ابھی۔"

"یہ شادی نہیں رکوا سکتے کسی طرح؟"

"نہیں۔"

اس نے ڈھیر سارے آنسو بہاتے ایموجی بھیجے اور فون رکھ دیا۔

"میں تو گھر سے بھاگنے یا ہانیہ جیسا ہی کچھ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، اتنی جذباتی یا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔" اس نے افسوس سے سوچا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ یا تو منہ پھلائے رہی یا التجا کرتی رہی کہ کسی طرح اسے دادا ابا سے ایک بار بات کرنے کا موقع دیا جائے مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ شام میں دروازہ پیٹ پیٹ کر جب سب ناکام ہو گئے تو ابو کو بلوایا گیا۔

"میرا تماشا نہ بناؤ سومہ! دروازہ کھولو۔" ان کی جھنجھلاہٹ بھری آواز پر اس کے اندر پھر وہی خالی پن پھیل گیا جس کے بعد غصہ اور مان سب بے معنی ہو جاتا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

رخصتی کے وقت جب کزنز اسے ایثار کی طرف لے جا رہی تھیں تو اس نے پلٹ کر سب سے کہا۔

"آپ سب نے میرے ساتھ جو کیا ہے نا، میرا دل کر رہا ہے، اب کبھی واپس ہی نہ آؤں ادھر۔" وہ ذرا نہیں روئی تھی مگر منہ پھولا تھا۔

"کل صبح ہی ادھر آؤ گی تم، دیکھنا۔" عمارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ کوئی اس کی بات کو سنجیدگی سے لیتا ہی کب تھا۔

صاعقہ اور اصغر بیگ کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ رو رہے تھے۔ ان کا برتاؤ جیسا بھی ہو، اولاد تھی وہ ان کی، باقی دو سے کم سہی مگر فطری لگاؤ انہیں بھی تھا۔

☆☆☆

کل سے سب کی سن سن کر وہ بہت تھک چکا تھا۔ ہر کوئی یا تو اپنا غصہ اسے سناتا تھا یا یہ باور کرانے کی کوشش میں تھا کہ اس کے ساتھ جو غلط ہوا ہے، جنھوں نے غلط کیا ہے، وہ انہیں کبھی معاف نہیں کریں گے یا اسے تسلیاں دیتا تھا کہ اچھا ہی ہوا، کچھ ہونے سے پہلے پتا چل گیا،

وہ دھوکے سے بچ گیا، اللہ نے کرم کیا۔ وہ سب اپنے طور پر اسے 'چیر اپ' کر رہے تھے حالاں کہ اسے اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن کوئی سمجھتا تب ناں۔

اسے بطور انسان بیان کرنے کے لیے دو الفاظ کافی تھے، امن پسند اور سلجھا ہوا۔ اس اچانک افتاد پر بھی اس کے لیے دادا ابا کی بات مان لینا مشکل نہیں تھا کہ یہ ہی اس کا مناسب حل تھا جس پر دل سے نہ سہی جبراً ہی سہی مگر سب راضی تھے۔ اس کا انکار لمبے وقت کے لیے اس کے گھر کے حالات اور چاچا کے گھر کے ساتھ تعلقات ہمیشہ کے لیے بگاڑ دیتا،

DAILYINFO.COM
Watermarkly

معاملہ دونوں طرف طول پکڑتا اور فیصلے وہ ہمیشہ "امن سکون قائم رہے، بات نہ بڑھے، نہ بگڑے" اس تناظر میں کرتا تھا۔ سومہ کے لیے اتنا کافی تھا کہ اس کے نام پر دل نے احتجاج نہیں کیا تھا۔

اب جب سب اپنے طریقے سے اس کی زندگی سنبھال اور سنوار چکے تھے تو وہ اپنے بستر پر گر کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہونا چاہتا تھا مگر اس کے لیے تو عشق سے پہلے والے امتحان ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ جمائی لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہی منہ پھلائے بیٹھی سومہ کو دیکھ کر اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کیں پھر بالوں پر ہاتھ پھیر کر اس کے سامنے آیا۔ سومہ نے منہ کھولا ہی تھا کہ ایثار نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

"میں ساری زندگی کے لیے تمہارے حوالے ہوں، آخری سانس تک منتظر ہوں گا بس آج کچھ نہ کہو۔"

"میں ساری عمر تھوڑی نا اتنے غصے میں رہوں گی۔" اسے برا لگ گیا۔

"مجھ پر کس لیے غصہ ہو؟" اس کا سوجا سا منہ دیکھ کر ایثار نے پوچھا۔ آخر وہ بھی تو اس کی طرح 'وکٹم' ہی تھا۔

"میں سب سے غصہ ہوں، ہر کسی پر غصہ ہوں اور سننے کوئی تیار نہیں، تم تو سن لو، تم نے ہی کہا تھا نا ہر معاملے میں میرے ساتھ ہو۔"

اس نے فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے سہولت سے اپنی نشست درست کی۔

"تمہارے علاوہ کوئی دستیاب بھی نہیں اس وقت۔" اس نے ایک وجہ پیش کی۔ وہ اسے 'ریڈی اسٹڈی' گو' والی منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ ادھر وہ اشارہ کرتا اور وہ بندوق سے نکلی گولی کی طرح شروع ہوتی۔

ایثار گہری سانس لیتے ہوئے اس کے بازو میں بیٹھ گیا۔

"پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس جو کہنا ہے جلدی کہو۔" اس نے فون میں اسٹاپ واچ سیٹ کی۔

"ایسے ایک دن کے نوٹس پر کسی کی شادی ہوتی ہے اور ابھی تو میرا نمبر بھی نہیں تھا، سب کو اپنی پڑی تھی، دادا ابا، تایا ابا، ابو، ممی سب نے صرف اپنا سوچا، انہوں نے عمارہ کو بچایا، عمارہ نے اپنی محبت کو اور مجھے اپنی پسند اپنی مرضی سوچنے تک کا بھی وقت نہیں دیا، کسی نے فارملیٹی کے لیے بھی مجھ سے نہیں پوچھا شادی کرنا بھی ہے یا نہیں پھر بھی میں چلاتی رہی، مجھے نہیں کرنی شادی، مجھے نہیں کرنی شادی مگر سب بہرے ہو گئے تھے، اور تم...... تم نے انکار کیوں نہیں کیا؟ مجھے لے کے اس ہانیہ کا رپلیسمنٹ بنا دیا، زبردستی تمہارے اور تائی امی کے سر پر مسلط ہو گئی نا میں اور اس پر سب کو یہ فکر کہ منہ سیدھا رکھو، رونے کی کیا بات ہے، ایک بار تو سوچا ہانیہ کی طرح میں بھی کر لوں کچھ، پھر خیال آیا دو بار تمہارے ساتھ ایسا ہو گیا تو کہیں تم ہی کچھ نہ کر بیٹھو اور پھر ساری عمر کا ایک اور الزام جنگل والوں کے سر......

دیکھو، کوئی اتنا نہیں سوچتا جتنا میں نے سوچا اور پھر بھی میرے لیے کسی نے نہیں سوچا، کسی سے شکایت بھی نہیں کر سکتی، سب ایسے بے حس ہیں کہ نہ پوچھو...... نہیں یہ غلط بول گئی، سب سے شکایت کر سکتی ہوں مگر کوئی سننے تیار نہیں ہو رہا جب کہ دل کر رہا ہے چیخ چیخ کر سب سے کہوں، غلط کیا میرے ساتھ سب نے، میری زندگی اور میری مرضی اتنی ارزاں نہیں تھی، کبھی معاف نہیں کروں گی کسی کو، شادی کا جوڑا پسند کا تو چھوڑو میرے ناپ کا بھی نہیں تھا، یہ دیکھو کتنا لوز ہے......"

اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر لٹکتی آستین پکڑ کر اسے دکھائی۔

"ہانیہ کا تھا، یہ اسی کے ناپ کا اور تو اور مہندی کے نام پر یہ......" اس نے اپنی ہتھیلی آگے کی جس کے درمیان سرخ دائرہ بنا تھا۔

"اتنا گندہ لگتا ہے مجھے، کہاں میں عید بقرعید پر ہاتھ پیر بھر بھر کے مہندی لگاتی ہوں اور اپنی سگی شادی پر یہ بڑا سا گول ٹیکا......!" اسے رونا آنے لگا۔

"اور یہ......" اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔ "پنک لپ اسٹک میں میرے ہونٹ ایسے لگتے ہیں جیسے فاسٹ بولرز کے زنک آکسائیڈ والے ہونٹ......"

مسلسل فون پر آگے بڑھ رہے وقت پر نظر جمائے بیٹھا ایثار بے اختیار مسکرا اٹھا۔

"یعنی ساری عمر اپنی فوٹوز میں یہ درگت نظر آئے گی مجھے، ایسی کارٹون یادگاریں کسی کی نہیں ہوں گی دنیا میں......

تم اتنی دیر سے آئے ہو کہ کتنی باتیں تو بھول گئی میں، فون میں پوائنٹس لکھ لینا چاہیے تھے مجھے۔"

آخری جملہ تاسف بھری خود کلامی تھا۔

"اب کون سی نیند!" ایثار نے فون بند کر کے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"بہت سلو بولتی ہو تم پانچ منٹ کب کے ختم ہو گئے۔"

"فی الحال انرجی نہیں میرے اندر فر فر بولنے کی۔ سات بجے سے کھانا کھلا دیا تھا ممی نے، اس کے بعد کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ نیند آ رہی تھی نا تمہیں جاؤ سو جاؤ۔"

"تمہاری باتوں نے بھگا دی ساری نیند۔" وہ کڑا ہوا۔

"تمہیں چینجنا ہے اور بھوک بھی لگی ہے؟"

"ہاں۔"

"تم چینج کر لو یا ایسے ہی چلو گی؟"

"کہاں؟"

"چیخنے کے لیے انرجی کا انتظام کرنے۔" اس نے کچھ دیر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا مگر وہ پلٹ کر الماری سے ٹی شرٹ نکالنے لگا تھا۔ وہ بھی 'ڈھیلا' جوڑا بدلنے اٹھ گئی۔

دس منٹ بعد دبے پاؤں لان میں پہنچ کر ایثار نے بائیک یونہی کھینچ کر گیٹ سے باہر نکالی تا کہ شور نہ ہو اور کچھ آگے جانے کے بعد شروع کی۔

"بیٹھو۔" اس نے پیچھے آ رہی سومہ سے کہا۔

"گھر میں بھی تو کھا سکتے تھے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ایک دن میں جو ماحول بدلا تھا اور جیسے شادی ہوئی تھی، سارے قریبی مہمان بھی گھروں کو چلے گئے تھے۔

"چیخنے کہاں تم گھر میں؟ ویسے کچن کے سب سے قریب پاپا اور امی کا کمرہ ہے۔"

"اچھا۔" اس نے ایثار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

دراصل ایثار کو بھی کھلی ہوا کی ضرورت تھی اور بھوک بھی لگی تھی۔

کمرے میں آتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ سومہ سے کیا اور کیسے کہے کہ وہ اس کی بات سمجھ جائے۔ ازدواجی زندگی کی ابتدا کا سارا جوش، ساری خواہشیں ڈھیر ہو گئی تھیں جو یوں ڈیمانڈ پر دوبارہ جوان نہیں ہو سکتی تھیں لیکن سومہ کے آغاز نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

گھر کے قریب انہیں اتنی رات گئے آملیٹ پاؤ والی ریڑھی ہی ملی۔ وہاں سے پیٹ پوجا کے بعد واپسی میں قدرے سنسان سڑک پر ایثار نے بائیک روک دی۔

"یہاں جی بھر کے چیخ چلا لو تم۔"

"ایثار! میں نے دو دو آملیٹ اور جانے کتنے پاؤ کھا لیے ہیں اور اب مجھے بے تحاشا نیند آ رہی ہے، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے سیٹ سے پیچھے ہی لڑھک نہ جاؤں۔" اس کی آواز پر بھی نیند کا غلبہ تھا۔

"گھر ہی چلو اور میری گرفت ڈھیلی ہوئی نا تو دھیان رکھنا، میرا غصہ اور زبردستی کی شادی اپنی جگہ مگر ابھی مرنا نہیں مجھے۔" ایثار نے بائیک آگے بڑھا دی۔

"ویسے منگیتر کی خودکشی کی کوشش کے بعد پہلی رات بیوی ایکسیڈنٹ میں مر گئی تو تمہیں......"

"تم اب بالکل چپ ہو جاؤ۔"

"بولنے دو اول فول، چپ ہوئی تو اونگھتے ہوئے گر جاؤں گی۔" ادھر خود شناسی کی انتہا تھی۔ گھر

PKDALYINFO.COM
Watermarkly

پہنچنے تک اس کی اول فول جاری رہی تھی۔

گیٹ سے ذرا دور اس نے بائیک بند کی اور خاموشی سے اندر لا کر اس کی جگہ کھڑی کر دی۔ دبے پاؤں واپس کمرے میں آتے ہی وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"پہنچنے پھر چلیں گے۔" سومہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" وہ بھی دوسری طرف تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"یہ شب زفاف جیسی بھی گزری، یادگار تھی۔" نیند کی وادی میں کھونے سے پہلے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

جب دو تین آوازوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے ایثار کا کندھا ہلایا اور آواز بھی اونچی کی۔

ایثار!" اس نے سستی سے آنکھیں کھولیں۔

"اب کیا ہوا؟" اسے یاد تھا کل ان کی شادی ہوئی ہے۔ "تمہیں پھر بھوک لگی ہے یا کچھ سنانا رہ گیا تھا؟"

"اتنے مشکل ناپ اور قل لگانے کی کیا تک تھی بھلا؟" اس نے منہ بنا کے ناراض سا احتجاج درج کیا۔

ایثار نے پوری آنکھیں کھولیں۔ وہ شاور میں بھیگ کے آئی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ سومہ جو اسے جگانے کے لیے جھکی تھی سیدھی ہوئی۔ غسل خانے سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"ساری سمتوں میں گھما کے دیکھ لیا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا نہ پانی بند ہوا۔" دور ہو کے اس نے دوپٹا جھٹکا۔ ایثار نے اندر جا کر شاور بند کیا۔

"تمہیں کمرے اور واش روم کا ایک ٹور کروا دیتا ہوں ڈیمو کے ساتھ۔" اس نے مزید حادثوں کے پیش نظر واپس آ کر اعلان کیا۔

"کیا تم روز اتنی دیر سے اٹھتے ہو؟" وہ اس کا مدعا سمجھ گئی۔ جب وہ میسر تھا تو وہ کیوں 'ٹور' پر خوار ہوتی۔

"کیا تم ایک دن کے لیے اس کمرے میں آئی ہو؟"

"ابھی کل رات ہی تم نے کہا" ساری زندگی کے لیے میرے حوالے ہو۔" اس نے یاد دلایا۔

"اس میں یہ کام شامل نہیں کیے تھے میں نے۔" اس نے غسل خانے کی سمت اشارہ کیا۔

"مجھے پیچیدہ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا، نہ ناپ نہ انسان نہ پچویشنز۔" اس کا انداز پھر روٹھا سا تھا۔ نہ جانے کس سے ناراض تھی وہ یا شاید سب سے ناراض تھی۔

"لیکن اس کمرے کے باہر فی الحال سب کچھ کامپلیکیٹڈ ہے۔" ایثار نے باور کروایا۔

"اسی لیے میرا دل نہیں چاہ رہا باہر جانے کا۔" وہ بستر پر بیٹھ گئی۔

"تو کیا باقی زندگی ہمیں اس کمرے میں بسر کرنی پڑے گی؟" وہ بھی بستر پر بیٹھ گیا۔

"میرا ہنسنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا۔"

"رونے کا دل ہے؟"

"روؤں گی کیوں؟"

"زبردستی شادی ہو گئی، واش روم کے ناب کچھ میں نہیں آ رہے، باہر سب پیچیدہ سا ہے جو تمہیں پسند نہیں، مہندی میں گول دائرہ بنا دیا، ڈریس لوز تھا، لپ اسٹک اور......"

"بس!" اس نے ہاتھ اٹھائے۔ ورنہ میں دھاڑے مار کے رو پڑوں گی۔"

"پھر اب تم ہی بتاؤ، اس پچویشن میں ہم کیا کریں؟" اس کے سوال پر وہ سوچنے لگی پھر بہت دیر بعد کسی فیصلے پر پہنچی۔

"صبر کے علاوہ، ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔" ایثار نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"اور میرے ساتھ جو ظلم ہوا ہے، اس کی تلافی کے لیے تم میرے ساتھ اچھا بی ہیو کرو۔" لگے ہاتھوں اس نے کہہ دیا۔

"ظلم میرے نہیں ساتھ ہوا؟"

"تم انکار کر سکتے تھے، دادا ابا تمہاری بات مان لیتے۔"

"یہ تمہارا گمان ہے، دادا ابا ہر حال میں کل ہی شادی کروانا چاہتے تھے، تم نے کہاں دیکھا اور سنا کل انہیں۔"

"تو تمہارے ساتھ بھی زیادتی ہوئی ہے۔"

"ہم دونوں رودھو نہیں رہے، نہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں کیا پھر بھی اسے زبردستی، زیادتی اور ظلم نہیں کہے گے؟" اس نے اہم نکتہ اٹھایا۔

"ہم دونوں مجبور مگر شریف اور مجبور بچے ہیں اس لیے مہذب انسانوں جیسا بی ہیو کر رہے ہیں لیکن بولو مت ہمارے گھر والوں نے ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا ہے، کوئی قیامت نہیں آتی اگر تمہاری شادی نہ ہوتی، دو دن لوگ گپ کرتے اور اپنی زندگیوں میں مگن ہو جاتے لیکن اب اس کے بعد...... جانے کتنا صبر کرنا ہوگا اور وہ کب تک اور کیسے ہوگا مجھ سے۔"

اس کے اندر کہیں پہلے ہی یہ مایوس خیال جگہ بنا گیا تھا کہ امن وامان سے یہ سب زیادہ دن نہیں چل سکے گا اور وہ اس کیفیت اور خیال کو بلند آواز میں کہنے یا سوچنے سے کترا رہی تھی۔

"ہمم۔ تو آج سے ہم دونوں ٹیم صبر!" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سومہ نے چار و ناچار ہاتھ تھاما۔

"ایک ہی ریکویسٹ ہے کہ یہ حاضر جوابی مجھ تک ہی محدود رکھو۔" اس نے سومہ کے ہاتھ چھڑانے سے پہلے مصافحے پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا۔

"چپ رہنا میرے لیے مشکل ہے ویسے، پھر بھی کوشش کروں گی کہ دنگا فساد مجھے بھی پسند نہیں۔"

"تھینک یو۔" ایثار نے ہاتھ ہٹا کے اس کا ہاتھ آزاد کیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے نکلے تھے۔ دادا ابا، نثار اور اشرف بیگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ الفت ان کے پاس کھڑی تھیں۔ وہ سلام کرتی ایثار سے پہلے میز پر بیٹھی اور چائے کا تھرماس قریب کیا۔

"بیٹی کے گھر ناشتہ لانے کی بھی فکر نہیں۔" الفت نے بائیں طرف منہ کر کے کہا جیسے ادھر بیٹی والے دیکھ اور سن رہے ہوں۔

"مطلب میں یہ ناشتہ نہیں کر سکتی؟" کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے اس نے تھرماس درمیان میں ہی روک لیا۔

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔" اشرف بیگ نے ہنستے ہوئے کہا۔ جب کہ ان کی زوجہ کو اس کا یہ سنجیدہ جملہ تمسخر لگا۔

اس نے کپ بھرا اور تھرماس ایثار کی طرف کھسکا دیا۔ دادا ابا خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ انہوں نے وقت پر پوتے کی شادی کر دی تھی۔ انا کی تسکین چہرے سے ظاہر تھی۔ باقیوں کی تسکین کا انہوں نے اس سے پہلے بھی کب سوچا تھا جو اب فکر کرتے۔ باقی سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔

"امی مجھے فریش چائے بنوا دیں۔" تھرماس کی چائے پینا اسے پسند نہیں تھا۔

الفت نے وہیں سے کتنی کو آواز لگا کر چائے کا کہا۔

"تم نے کتنے دن کی چھٹیاں لی تھیں؟"

"وہ خود مالک ہے، چھٹیاں کیوں لے گا۔" دادا ابا کو سوال ناگوار گزرا۔

"میرا مطلب ہے، کل رات کی اس کی بکنگ ہے فلائٹ کی۔" ایثار کو بھی یاد آیا۔ "اوہ! یہ تو میرے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا۔"

"اب یاد آ گیا نا تو کینسل کر دو۔"

"کینسل کس لیے بھئی؟ دولہا دلہن جائیں گے جیسے طے تھا۔" وہاں بس اشرف بیگ ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سومہ نے خفیف سا سر ہلا کر انکار کا خفیہ اشارہ کیا۔

"لیں دلہن خود نہیں جانا چاہتی!" الفت کی بات پر ان دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تائی امی! ہفتہ بھر کے لیے کہیں جانا ہو تو کم سے کم ہفتہ بھر پہلے سے تیاری کرنا ہوتی ہے، یہ تو پھر ہنی مون ہے وہ بھی اس شادی کا جس میں ایک دن پہلے دلہن بدل گئی۔" اس صاف گوئی پر سب اپنی اپنی جگہ مقدور بھر ششدر تھے۔

"شارٹ نوٹس پر شادی کر لی آپ سب کا سوچ کے تو ہر معاملے میں یہ امید نہ رکھیں، مجھے پلانڈ طریقے سے سب کرنا پسند ہے۔" اس کی آواز میں آخر تک پہنچتے پہنچتے ناراضی گھل گئی تھی۔

"ایک بات یاد رکھو، تم نے کسی پر احسان نہیں کیا ہے اور میں بھی تو وہی کہہ رہی ہوں کینسل کر دو، دلہن کی تیاری ہی نہیں ہے، وہ نہیں جانا چاہتی۔" الفت نے پہلے خود کو سنبھالا۔ تب ہی لبنیٰ چائے لے کر آئی۔ اس نے دور سے سومہ کی بات سنی تھی اور اس وقت ساس کو دیکھ کر اسے بڑا مزہ آیا۔

"ہاں تو دلہن کیوں نہیں جانا چاہتی، یہ اہم ہے۔" ذرا دیر پہلے حاضر جوابی والا وعدہ وہ بھول گئی تھی۔

"جب تم دونوں کا دل چاہے تب چلے جانا۔" اشرف بیگ نے فضا میں پھیلی بے آرامی دور کرنا چاہی۔

"جی پاپا۔" اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کے لیے آملیٹ بنا دوں؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ الفت جو پلٹ گئی تھیں پھر مڑ کر انہیں دیکھنے لگیں۔ ایثار کا معمول کا ناشتہ ہی آملیٹ تھا۔

"مجھے کارن فلیکس دے دیں۔" ایثار نے کہا۔ سومہ سر جھکائے چائے پیتی رہی۔

☆☆☆

وہ اپنے گھر میں سب سے ناراض تھی لیکن ادھر جائے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔ اس کا بہت سا ضروری سامان اسے اپنے کمرے میں لانا تھا۔

"سب ٹھیک رہا؟ تائی امی کا رویہ کیسا ہے؟ اور ایثار...... ہانیہ کے بارے میں کچھ کہا اس نے؟ تم نے تو ضرور پوچھا ہو گا اس سے آخر اتنے دنوں سے منگنی تھی ان کی...... دادا ابا نے کچھ کہا؟ مطلب کس نے تھینک یو کہا تمہیں وقت پر ان کی عزت بچانے کے لیے؟" عمارہ کے پاس اتنے سوال تھے کہ جواب سننے کا بھی وقت نہیں تھا۔

"تم رکو تو وہ کچھ بولے بھی۔" بظاہر دور سے سب سن رہی صاعقہ نے عمارہ کو ٹوکا۔ عمارہ چپ ہو گئی۔ وہ فوراً کچھ نہ کہہ سکی۔

"اب بتاؤ بھی۔" عمارہ نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"سب ٹھیک رہا، کسی نے تھینک یو نہیں کہا نہ کسی نے منہ بنایا، سب نارمل ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔" صاعقہ نے سکون کا سانس لیا مگر عمارہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"ایثار نے کچھ نہیں کہا؟"

"بہت کچھ کہا لیکن میں وہ پرسنل باتیں تمہیں یا کسی کو بھی کیوں بتاؤں؟"

"واہ! ممی! دیکھیں اسے، ایک دن میں ہی بدل گئی یہ تو" اس نے حیرت سے مڑ کر ماں سے کہا۔

"سومہ سمجھ دار ہے۔" صاعقہ نے کہا۔ اس نے ماں کو دیکھا جو بکھرا سامان سمیٹ رہی تھیں۔ یہ انہوں نے سچ کہا تھا یا ذو معنی بیان تھا یا اس میں اس کے لیے کچھ اشارہ تھا، وہ سمجھ نہیں پائی۔

عمارہ اور پھر ماز یہ دونوں کے پاس صرف باتیں، سوال اور شکوک ہی نہیں تھے بلکہ اسے پڑھانے کے لیے بہت ساری پٹیاں بھی تھیں۔

ان دونوں کے دل اپنے دادا ابا اور تایا کے گھر والوں کے لیے ایک بھی اچھا خیال نہیں رکھتے تھے اور اب ان کے نزدیک سومہ کو سارے بدلے لینے کا موقع ملا تھا۔ اسے اتنی گھبراہٹ ہونے لگی کہ وہ اپنا سامان لیے جلد ہی واپس آ گئی۔ وہ الماری میں اپنے لیے جگہ بنا کر کپڑے اور دیگر سامان رکھ رہی تھی تب ایثار کمرے میں آیا۔ اس کے پاس بھی اس کے لیے نئی کبھی باتیں نہیں تھیں۔ وہ اپنی ممانی یعنی ساس ماما یا ابھی کے مزاج سے اسے آگاہ کرنے آیا تھی۔

"نانا ابا اور نثار میرے ساتھ ہیں تو مجھے اتنی فکر نہیں" "لیکن تم تو بالکل اکیلی ہو۔" جاتے جاتے کہا اس کا جملہ اس کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ ایثار کے آتے ہی اس نے اپنا 'اکیلا پن' اس کے سامنے پیش کر دیا۔

"شادی ہوئی ہے کوئی جنگ کا بگل نہیں بجا کہ ہا بولنے سے پہلے تمہارے ساتھ کون کون ہے، یہ طے کیا جائے۔"

"اس گھر کی تاریخ اور حال دیکھتے ہوئے میدان جنگ بعید بھی نہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے نہ ہو گا، اچھا اور مثبت سوچو تو سب ویسا ہی نظر آئے گا۔"

"یہ حقیقت سے نظر چرانا نہیں ہے؟"

"سومہ! ہم بات نہ بڑھائیں، معاملات نہ الجھائیں، مصلحتاً خاموش ہو جائیں تو آدھے مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے اور ہم دوسرا فریق بننے سے انکار کر دیں تو جنگ چھڑ ہی نہیں سکتی۔" وہ چلتے ہوئے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"تم ابھی سے لڑائی، محاذ اور میرے ساتھ کون جیسی باتوں کو ذہن میں جگہ دو گی تو یہ سب روز مرہ کے معمول میں بھی شامل ہو جائے گا۔"

"اب تم یہ فلمی ڈائیلاگ کہو گے کہ یہ ہی میرا گھر ہے اور تمہارے ماں باپ ہی اب میرے ماں باپ ہیں، انہیں میں......"

ایثار بے ساختہ ہنس پڑا اور اس نے منہ پھلا لیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہا، نہ تمہیں ایسا کچھ کہنے کی ضرورت ہے، میرے ماں باپ تمہارے تایا ابا اور تائی امی ہی ہیں، انہیں کچھ اور نہ سمجھو۔"

"پھر؟"

"زیادہ نہ سوچو بلکہ کچھ نہ سوچو، کل ہی تم نے کہا ہم مجبور اور شریف ہیں اور آج ایسی امپکچر بات!" اس نے شرم دلانی چاہی۔

"اچھا۔" اس کا انداز اب بھی روٹھا سا تھا۔

"تمہارا کوئی نک نیم نہیں ہے؟"

"اتنا سا تو نام ہے، اسے بھی کیا توڑنا مروڑنا، تمہیں اچانک نک نیم کہاں سے یاد آ گیا؟"

"جتنا تمہارا منہ پھولا رہتا ہے، سومہ سلامت رکھ کر نک نیم غبارہ رکھا جا سکتا ہے۔" ایثار نے کہا اور عادتاً پھر اس نے ویسا ہی منہ بنایا۔ ایثار ہنستے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا۔

☆☆☆

کام تو وہ شادی سے پہلے ہی چھوڑ چکی تھی، لہٰذا اب چوبیس گھنٹے گھر میں ہوتی تھی۔ الفت نے صبح کے ناشتے کی ذمہ داری اسے سونپی تھی۔ رات کا کھانا وہ خود بناتی تھیں اور دوپہر کا لبنیٰ۔ ایثار کے علاوہ گھر کے باقی مرد نوکری پیشہ تھے۔

دونوں بہوؤں کے معاملے میں وہ معمولی اور چھوٹی موٹی بات یا غلطی بھی نظر انداز کرنے کی قائل نہ تھیں۔ لبنیٰ جواب نہیں دیتی مگر کرتی اپنی مرضی تھی۔ اپنے کام اور معاملات میں وہ ان کا مشورہ یا حکم کچھ نہیں سنتی تھی اور سومہ جواب دینے کی عادت سے مجبور تھی۔

اس سے روٹیاں گول نہیں بنتی تھیں اور تقریباً روز ہی اپنی خوش دامن کی جانب سے اسے روٹی گول بیلنے کی ایک نئی ٹپ ملتی جو آزمانے پر بھی اس کے لیے کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔

"ہماری اماں نے سب سے پہلے ہمیں گول روٹی بنانا ہی سکھائی تھی۔" ساس کا پسندیدہ طعنہ اکثر بہو کی ماں سے ہی منسوب ہوتا ہے۔

"اس وقت سب کے پاس فرصت ہوتی تھی تائی امی۔ اب تو ماؤں کے پاس اتنا وقت ہے نہ بیٹیوں کے پاس۔" ابھی الفت نے منہ کھولا ہی تھا

PKDAILYINFO.COM
Watermarkly

کر اس نے آگے جوڑا۔

"اور نہ کھانے والے اب پلیٹوں میں دیکھتے ہیں، دیکھیں تایا ابا نیوز پیپر دیکھ رہے ہیں اور ایثار موبائل۔" الفت میاں اور بیٹے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

"پہلے کے زمانے میں مرد حضرات بھی اتنے فارغ تھے کہ عورتوں کے کام میں مین میکھ نکال کر ٹائم پاس کرتے تھے، سب یونہی فون کو برا بھلا کہتے ہیں ایک فائدہ تو یہ ہی ہے اس کا......" شکر تھا، پہلے کے زمانے کے اس کے دادا وہاں موجود نہیں تھے۔

"باتوں کے بجائے کام پر اتنی توجہ دیا کرو۔ میری روٹیاں بچپن سے ہی ایسی گول ہوتی ہیں جیسے پرکار سے دائرہ کھینچا ہو۔" انہوں نے اس کی بات بدلنے کی کوشش ناکام کی۔

"تائی امی! روٹی کسی بھی شکل کی ہو، بندہ کھا لیتا ہے، کچی اور سخت ہو تو کھائی نہیں جاتی اور......" اس نے اشرف بیگ کو مخاطب کیا۔

"تایا ابا! روٹی کھانے میں کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔" وہ اب بھی اخبار میں گم تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ صرف انہیں ہی دو بدو جواب دیتی تھی۔ وہ باتونی مشہور تھی اور سب کے ساتھ ہی اس کا رویہ ایسا تھا، اس لیے وہ اس پر 'زبان درازی' کا لیبل نہیں لگا پاتی تھیں۔

"آج کے دور میں تو گول روٹی پر ساس بہو والی لڑائی نہیں ہونی چاہیے، ویسے ان شاء اللہ ایک دن گول بھی بنانے لگوں گی۔" واپس باورچی خانے میں جاتے ہوئے اس نے کہا۔

ایثار یوں ناشتہ کر رہا تھا جیسے دونوں کی باتیں اس کے کانوں میں پڑی ہی نہ ہوں۔ اول تو اس کا مزاج ہی یہ تھا، دوسرے اس نے نثار کو دیکھا تھا۔ ایسے وقتوں میں وہ کبھی ماں کو خوش کرنے کے لیے ایک جملہ کہتا تو کبھی بیوی کے لیے اور اکثر اس کی ماحول نہ بگڑے کی یہ کوشش ہی ماحول بگاڑ دیتی تھی۔

☆☆☆

"پورے پندرہ دن ہو گئے ہیں، میں گھر سے باہر نہیں نکلی۔" اس کی طرف دیکھ کر سومہ نے اعلان کیا۔ وہ لیپ ٹاپ پر کوئی کام کر رہا تھا۔ جب اس نے بڑی دیر تک اس سے نظر نہیں ہٹائی تو ایثار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھ سے کچھ کہا؟"

"مجھے اکیلے بڑبڑاتے دیکھا ہے کبھی؟"

"اکیلے ہو گی تو میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔" وہ بھی اس سے سیکھ رہا تھا۔ سومہ نے ہونٹ سختی سے بند کر کے اسے گھورا۔

"سوری!" وہ مسکرایا۔ "میں نے سنا نہیں پھر سے کہو۔"

"مجھے باہر جانا ہے۔"

"ابھی؟"

"شام میں یا رات میں۔"

"او کے ڈنر باہر کریں گے۔" چھٹی کے دن ہی وہ گھر میں ہوتا تھا۔

☆☆☆

ابھی وہ باہر جانے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ ایثار کی خالہ اور ان کی بیٹی آ گئیں۔ لبنیٰ ہر اتوار کو میکے جاتی تھی۔ اسے ہی مہمان نوازی کے آداب نبھانے پڑے۔ الفت نے انہیں کھانے کے لیے روک لیا۔ اس نے منہ پھلا کر ایثار کو دیکھا جس نے بے بسی سے کاندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔

ان دونوں کو بھی سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پڑا تھا۔ کھانے کے بعد بھی ان کا جلدی اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لبنیٰ اور نثار بھی آ گئے تھے۔

"حد ہی ہے اب تو!" پچھلے دو گھنٹوں سے وہ ثمین کے واہیات لطیفوں اور چھچھورے 'ون لائنرز' پر کلس رہی تھی اور اب اس کی برداشت جواب دے گئی۔ تائی امی الگ ان پر واری صدقے جا رہی تھیں۔

"ضرور ایثار نے انکار کیا ہو گا ورنہ ہانیہ نہیں تائی امی نے اسے ہی بہو بنانا تھا۔" اس نے سوچا۔

اس خیال نے پل بھر میں اس کی نظریں بھی بدل دیں اور اب تک خالہ بھانجی کی بے ضرر لگ رہی بحث سے نے نکل گیا۔ گیارہ بجے جب وہ اٹھیں تو الفت نے ایثار کو انہیں گھر چھوڑ آنے کا حکم دیا۔

ان کے جانے کے بعد خالص بیویوں اور بہو والے انداز میں جتانے کے لیے وہ بھی اپنے میکے چلی گئی تھی۔ یہ الگ بات خود اس لاشعوری حرکت کے محرک سے بے خبر تھی۔ ایثار کی کار گیٹ سے اندر آئی تو وہ بھی اس طرف آ گئی۔

"سوری یار۔" اسے دیکھتے ہی ایثار نے معذرت کی۔

"میں نے پورا موڈ بنا لیا تھا، پیزا ہٹ جانا ہے اور مجھے پلاؤ پر گزارا کرنا پڑا۔"

"اب گھر آئے مہمانوں کو بھگایا تو نہیں جا سکتا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کمرے میں آئے۔

"ابھی چلو۔" آرائشی میز کے سامنے والی کرسی پر اس کا نکالا جوڑا رکھا تھا۔ قریب ہی سینڈل بھی تھی۔

"اب موڈ نہیں میرا۔" اس نے آگے آ کر چوڑیاں اور کان کے آویزے دراز میں ڈال دیے۔ حسب عادت منہ پھولا تھا۔

"تیار نہ ہو، ایسے ہی چلو۔"

"باہر جانے کی سب سے بڑی ایکسائٹمنٹ میری تیاری ہوتی ہے۔" اس نے ملامتی نگاہ اس کے سپرد کرتے ہوئے اس کی معلومات بڑھائی۔

"تو تیار ہو کر چلو۔"

"ثمین کی باتوں نے سر میں درد کر دیا ہے۔" وہ کپڑے ہینگر میں لگا کر الماری میں رکھنے لگی۔

"کیسے برداشت کرتے ہو تم...... مجھے ایک بات پر ہنسی نہیں آئی اور تمہیں دیکھ کر لگ رہا تھا، اس سے نئی بات پہلے سنی ہی نہیں تھی۔"

"مہمانوں کے ساتھ کرنا پڑتا ہے، اسے آداب اور مروت کہتے ہیں۔" اس کی مرضی نہ دیکھ کر وہ بھی سونے کی تیاری کرنے لگا۔

"مہمان نوازی میں مہمانوں کو خوش کرنا بھی شامل ہے۔" وہ الماری سے ہٹ کر بستر درست کرنے لگی تھی۔

"ہمم...... نظر آ رہا تھا کتنا، خیال تھا تمہیں اس کی خوشی کا۔"

"اس کی خوشی کا؟" وہ کار کی چابی اور موبائل تپائی پر رکھتے ہوئے ٹھٹکا۔ کچھ ایسا ہی حال سومہ کا بھی ہوا۔

"تم بھی تھک گئے ہو، مجھے بھی نیند آ رہی ہے، جلدی سے چینج کر کے لائٹ بند کر دو۔" اس نے ذرا دیر پہلے والے جملے کا اثر زائل کرنے کے لیے تیزی سے کہا۔ ایثار اس کے قریب آیا اور انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔

"تم جیلس ہو رہی ہو؟" اس کے چہرے پر خوش گوار اور متعجب سا تاثر تھا۔

"بیویوں والا پیارا ری ایکشن ہے یہ تمہارا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ "بس پلان خراب ہوا، اس لیے موڈ آف تھا۔" وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ ایثار نے چاہتے ہوئے بھی مزید نہیں چھیڑا۔

رات میں کروٹ بدلتے ہوئے اس کی آنکھ کھلی تو دوسرے سرے پر سومہ پلنگ کی پشت سے ٹیک کر بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" اس نے سرہانے سے فون اٹھا کر وقت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے......" اس نے ٹیک ہٹایا اور تکیہ جگہ پر رکھ کر لیٹنے کی تیاری کی۔ "مجھے جیلس فیل ہو رہا تھا۔" ایثار کی طرف پشت کر کے لیٹتے ہوئے اس نے اقرار کیا۔

ایثار نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"تم اب تک جاگ کر یہ سوچ رہی تھیں؟"

"مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔" وہ دیوار کی سمت منہ کیے تھی۔

Watermarkly

"اب آ گیا؟"

"ہم۔"

"سو جاؤ، سویٹ ڈریمز!" وہ مسکرا رہا تھا۔

آنکھیں بند کرتے ہوئے سومہ کا چہرہ سرخ تھا۔ آج سے پہلے اسے یہ بات کبھی اس شدت سے محسوس نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر موجود ہوتا ہے۔

☆☆☆

"تم تو ایسے خوش ہو، وہاں جیسے لو میرج کر کے گئی ہو۔"

"ہیں؟"

"مطلب تمہیں کچھ تو ایٹی ٹیوڈ دکھانا چاہیے داداابا کو اور باقی سب کو بھی آخر عزت رکھی تھی ان کی ہم نے۔"

"ایٹی ٹیوڈ دکھانے سے کیا ہوگا؟"

"برے وقت میں کام آئے ہیں ہم ہی، جن کو الزام دیتے تھے کہ ناک کٹوا دی، یہ احسان جتانا تو بنتا ہے ہمارا۔"

"احسان تو وہ بھی جتا رہے ہیں ادھر کہ ممی ابو کو ان کی غلطی کے باوجود موقع دیا۔"

"اس کا موقع تم نے دیا ہے انھیں، پہلے دن سے اکڑ کے رہتیں......"

"مجھے سکھانے سے اچھا ہے تم خود چلی جاتیں۔"

"دیکھیں امی اسے......" عمارہ ماں کی طرف پلٹی اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

اسے عمارہ کی بات کا اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا ماں کی خاموشی نے دکھ دیا تھا۔ ادھر آئی تو تائی اور ان کی سہیلی کی باتیں سن لیں۔

"دادا کے آگے کچھ بول ہی نہیں پایا میرا بیٹا۔! تمہیں تو پتا ہے کتنا فرماں بردار ہے وہ میرا دل دکھتا ہے اسے دیکھ کے۔"

"کہا تم سے کچھ؟"

"کچھ کہتا کہاں ہے وہ لیکن ماں ہوں، سب جانتی ہوں۔ ایک تو اس لڑکی میں ذرا جو سمجھ ہو، جو منہ میں آئے بول دینے کی بیماری ہے اسے اور سنجیدہ مزاج ہے میرا بیٹا، کبھی کوئی تکرار اور بحث نہیں کی کسی سے اور اس کی ہی قسمت ایسی نکلی، سومہ اس کی پسند اور مزاج کے بالکل الٹ ہے، سب کے آگے سر جھکا دیا اپنی خوشی پیچھے ڈال دی۔ وہ پہلے ہی کم بولتا ہے اور اب یہ تو اسے منہ بھی کھولنے نہیں دیتی۔"

ان کے چہرے کے تاسف نے اسے دکھی نہیں کیا بلکہ ان سے زیادہ افسوس میں مبتلا کر دیا۔ اتنے دنوں میں وہ ان کے بیٹے کو ان سے زیادہ سمجھنے لگی تھی۔ وہ سنجیدہ مزاج نہیں تھا اس نے گھر کے امن اور سکون کے لیے خود کو ایسا بنا لیا تھا۔

یہ ماں بیٹے کو زبردستی دکھی بنائے بیٹھی تھیں کہ بہو اور شادی ان کی مرضی اور پسند سے نہیں ہوئی تھی اور ادھر دوسری ماں اور بہن اس بات پر نالاں تھیں کہ دشمنوں کے گھر وہ اتنی خوش کیسے رہ رہی تھی حالاں کہ اس گھر میں اسے زور زبردستی سے اسی لیے دھکیلا گیا تھا کہ ان کے دشمن ان سے راضی ہو جائیں۔

کمرے میں آئی تو ایثار پلنگ پر بیٹھا بڑے انہماک سے کوئی ڈاکیومینٹری دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بنا ہی اپنی جگہ لیٹ گئی۔ اسے دونوں طرف کی سوچ پر افسوس تھا اور سب سے زیادہ داداابا پر۔ یہ رویے اسے ہمیشہ بے سکون رکھتے تھے۔ سب کو لگتا تھا، اسے ان سب کی پروا نہیں، وہ اپنی دنیا میں مگن رہتی ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ اس سرد جنگ میں شامل نہیں تھی مگر یہ جنگ سب سے زیادہ اس پر اثر انداز ہوتی تھی۔ سوچتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی۔ اس کے خیالات پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ ایثار کو اس کی بے آرامی محسوس ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو سومہ؟" اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کا سر ہلایا۔

"ایک ایثار ہی ہے جس کی سوچ اور رویہ منفی نہیں۔" اس نے سوچا۔

وہ پہلے اس گھر کے مکینوں کے بارے میں زیادہ نہیں سوچتی تھی۔ عید بقر عید یا ایسے موقعوں پر وہ ان کے یہاں آتے تھے یا جب کوئی بیمار ہوتا تو ابو عیادت کے لیے سب کو زبردستی گھسیٹ کر لے جاتے تھے۔ آتے جاتے سامنا ہوتا تو دعا سلام اور دو چار باتیں بس۔ نثار کا انداز بھی دادا اور ماں باپ جیسا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے اور مخاطب ہی ایسے کرتے تھے کہ وہ مجرم ہیں، گرے پڑے لوگ جن سے نرمی اور تکریم سے بات نہیں کی جا سکتی۔ ایثار ایسا نہیں تھا۔ وہ حتی المقدور نظر انداز کر کے گزر جاتا تھا۔ کبھی بات ہوتی بھی تو انداز میں نفرت، حقارت یا تلخی نہیں ہوتی تھی۔

"سومہ!" وہ باہر سے آتے ہی ایسے منہ چھپا کے پڑ گئی تھی۔ اسے لگا کہیں رو تو نہیں رہی۔ اس کا لہجہ پرتشویش تھا۔ وہ یوں ہی بیٹھے بیٹھے اس کے قریب آیا۔

"میں ٹھیک ہوں، تم دیکھو ٹی وی۔" اس نے تکیے میں چہرہ چھپاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"کسی نے کچھ کہا؟" اس کی آواز بھیگی سی تھی۔

وہ واحد تھا جس کی سوچ طعنوں، شکایتوں اور رنجشوں کے گرد نہیں گھومتی تھی۔ وہ سب کو لے کر اور راضی رکھ کر چلنے والا انسان تھا۔ صاعقہ کی سوچ اس کے بچپن سے ہی گھر والوں کے لیے بغض اور برائی سے آلودہ کی گئی تھی یا اسے تو معصوم صاف آغوش شاید بچپن میں بھی نہیں ملی تھی۔ اس کا ذہن بھٹکنے لگا تھا۔

"سومہ!" ایثار کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹایا اور یونہی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑے رونے لگی۔

"ارر......" وہ گڑبڑا گیا۔

"رو کیوں رہی ہو؟" اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کا اس کا چہرہ اپنی طرف کرنے کی کوشش کی۔

"ایسے ہی رونا آ رہا ہے۔" سیدھی ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ کر اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے۔

"تم اس طرف گئی تھیں، وہاں کسی نے کچھ کہا؟"

"میں کب کسی کی باتوں پر روئی ہوں۔" آنسو پونچھتے ہوئے وہ ہنسنے لگی۔

"تم تو اپنی رخصتی پر بھی نہیں روئی تھیں۔"

"وہی تو۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

"وہی تو۔" اس نے اسی کے انداز میں کہا۔

"کوئی بڑی بات ہوئی ہے جو رو رہی ہو۔"

"مجھے بڑی باتوں پر رونا نہیں آتا......" وہ کچھ کہتا اس سے پہلے اس نے ہاتھ اٹھا کر فخریہ جتایا۔

"ہماری شادی پر نہیں آیا تھا۔"

"اچھا تو وہ چھوٹی بات بتا دو جس نے رلایا۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"تم باقی سب سے الگ ہو۔"

"اور تم تو ساری دنیا سے الگ ہو، تو کیا اس بات پہ مجھے بھی رونا چاہیے۔" وہ ہنسنے لگی۔ ایثار مسکرا دیا۔

عام صورت حال میں وہ کبھی سومہ کے لیے سوچ سکتا تھا نہ شادی کے لیے ہاں کر سکتا تھا۔ وجہ سومہ کے لیے پسندیدگی یا ناپسندیدگی نہیں تھی بلکہ دونوں خاندانوں کے بیچ کا تعلق تھا۔ پہلے سے کڑوے کسیلے رشتوں میں ایک نیا رشتہ قائم کر کے وہاں مٹھاس کی امید عبث تھی۔

وہ اسے اتنا ہی جانتا تھا جتنا گھر کے چوکیدار یا کام والی ماسی کو اور اب شادی کے بعد جیسے وہ ایک اجنبی سے آشنائی حاصل کر رہا تھا۔ روز کچھ نیا جاننا، پرکھنا، سمجھنا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ دونوں سبک خرام تھے۔ کسی نے آگے بڑھنے میں پہل نہیں کی تھی۔ کچھ ان دیکھا، انجانا ان کے درمیان حائل تھا جو سب کچھ ٹھیک ہونے کے باوجود انہیں روکے تھا۔

☆☆☆

اس کی دوست کی منگنی تھی اور وہ ایثار سے کہہ چکی تھی کہ شام میں اسے اس کے گھر چھوڑ دے۔ اس نے چار بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے تائی امی کو بھی بتا دیا تھا۔ وہ نہا کر نکلی تو اس سے پہلے تائی امی تیار ہو کر اس کی منتظر تھیں۔

"ابھی آپا کا فون آیا تھا۔ ان کی ساس ہاسپٹل ایڈمٹ ہیں، میں ان کے ساتھ انہیں دیکھنے جا رہی ہوں وزٹنگ آورز ابھی ہیں۔ تم ذرا لیٹ جانا مغرب کے بعد۔"

"بھابھی تو ہیں نا۔" کسی ایک کی موجودگی گھر میں کافی تھی۔

"کچھ دیر پہلے اس کی بہن آئی تھیں، وہ دونوں شاپنگ کو گئی ہیں، میں نکل رہی ہوں۔" وہ دروازے سے ہی پلٹ گئیں۔ پہلی بار اس کا بچ میں دماغ خراب ہوا تھا۔

"بھابھی کو بھی تو روکا جا سکتا تھا۔" جواب بھی اسے معلوم تھا۔ کیوں نہیں روکا۔ ان کے کچھ کہتے ہی ایسے موقعوں پر دادا ابا تیتی کے حق میں اعلان کر دیتے تھے۔

امی نے ایثار کو پیغام بھیجا کہ مغرب کے بعد آئے اور ادھر سے آئے 'اوکے' پر وہ کتنی دیر تک اسکرین کو گھورتی رہی۔

شکر تھا کہ الفت مغرب سے پہلے آ گئیں۔ اس نے بھی سوچوں کو لگام دی کہ نیکی کی خوشی غارت نہیں کرنا تھی۔

وہ چوڑیاں کھنکاتی اور دوپٹا سنبھالتی اس کے بغل والی نشست پر بیٹھی تو ایثار نے بغور اس کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"مہندی نہیں لگائی؟" سومہ نے اس 'جہالت' پر اسے بری طرح گھورا۔"

"کچھ غلط کہہ گیا؟" اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے دوسرا سوال داغا۔

"تم کیا مہندی کو بھی لپ اسٹک اور لائنر کی طرح سمجھتے ہو؟"

"امی کو شوق نہیں اور گھر میں دوسری کوئی خاتون نہیں تھی اس لیے......"

"یہ معلوماتِ عامہ ہے، جنرل نالج۔" وہ اس نازک وقت میں 'خاتون' پر ردعمل دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی سو سہولت سے اُسے نظرانداز کیا۔

"اس ترقی یافتہ دور میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"مہندی نے بھی کچھ ترقی کی ہے لیکن ابھی بہت ترقی باقی ہے۔" اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے سائیڈ مرر میں دیکھتے ہوئے جھک کر بال پیچھے کیے پھر سیدھا ہو کر گلے کی نازک سی چین اور لاکٹ کو درمیان میں درست کیا۔

"لینے کب آؤں؟" اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ پیر آگے کر کے، ذرا جھک کر سینڈلز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں کال کروں گی تو آ جانا، زیادہ دور نہیں ہے۔" اب دوپٹا دوبارہ سے اوڑھتے ہوئے اس کی نظریں مناسب آئینے کی متلاشی تھیں۔

"تم سکون سے بیٹھ جاؤ۔" اس نے جس طرح کہا وہ چونک کر تھم گئی پھر دھیمے سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"میں شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنی سہیلیوں سے ملوں گی تو انہیں نظر بھی تو آنا چاہیے، پہلے اور اب کا فرق۔" عادتاً روایتاً ہی وہ روٹھ گئی۔

"میری شادی میں میری کوئی سہیلی بھی شامل نہیں ہوئی تھی۔"

"شادی سے پہلے والی سومہ مجھے یاد ہی نہیں ورنہ فرق بتاتا۔"

"کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرو تو پہلا اصول یاد رکھو، سارے کا سارا سچ نہیں کہنا۔"

سومہ نے ہاتھ اٹھا کر بڑے درد بھرے انداز میں اسے سبق پڑھایا۔

"اس میں دکھی ہونے والی کون سی بات ہے؟ بلکہ خوش ہو جاؤ کہ تمہارا شوہر کبھی نظرباز نہیں رہا۔"

"اپنی کزن "یاد" ہونے اور نظرباز ہونے میں بھی بہت فرق ہے۔"

"میں تمہیں بھولا کہاں تھا؟" اس نے حیرت سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ سومہ نے گہری سانس لی۔

"ہم یہ مذاکرات یہیں اینڈ کرتے ہیں ورنہ

مجھے غصہ آئے گا اور میں......" وہ پھر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

"اوکے۔" وہ مان گیا۔

وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گئے تو ایثار نے کار روکی اور اس کی سمت رخ کیا۔

"تمہاری تیاری میں کوئی کمی نہیں، میک اپ بھی ٹھیک ہے، تم اچھی لگ رہی ہو، ریلیکس ہو کر جاؤ اور انجوائے کرو۔"

"پہلے ہی یہ کہہ دیتے، تب سے میں اتنی کانشس تھی۔" کلچ تھام کر وہ اترنے لگی۔

"تھینک یو۔" دروازہ بند کر کے وہ کھڑکی میں جھکی۔ "کال کروں تب آ جانا۔" اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ واپسی میں وہ اسے اندر لے گئی کہ اس کی ساری سہیلیوں کو اس سے ملنا تھا۔ اس کا بازو تھامے وہ اسے سب سے متعارف کروا رہی تھی اور وہ ایک نئی سومہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی دوستوں میں کافی مقبول تھی۔ اس کی سہیلیوں نے ان دونوں کی ڈھیروں تصویریں بھی کھینچیں اور اب کار میں اسے سب موصول ہو رہی تھیں۔

"ہماری شادی سے اچھی تو یہ تصویریں ہیں۔" وہ فون میں تصویریں زوم کرتے ہوئے بڑی خوش تھی۔ "مجھے بتایا تو ہوتا میں بھی ریڈی ہو کر آتا۔" اس نے دل موہ لینے والی تیاری کے ساتھ مسکراتی سومہ کو دیکھا۔ وہ دفتر سے اسے لینے گیا تھا۔

"اچھا ہی ہوا، وہ ساری ایسے ہی......" وہ روانی میں بولنے لگی تھی کہ رک گئی۔

"یار! تم لگتی تو نہیں اتنی جیلس ٹائپ!" اس نے اسی وضع میں سر جھکائے فون کو دیکھتی سومہ کو دلچسپی سے دیکھا۔

"میں ہوں بھی نہیں اس ٹائپ کی۔" اس نے فون بند کر کے کلچ میں رکھا۔

"بس اپنی چیزوں کی حفاظت کی عادت ہے۔" اس نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے کھڑکی کی سمت چہرہ موڑ لیا اور ایثار کا بے ساختہ قہقہہ گونج اٹھا۔

☆☆☆

ایک شادی تو آناً فاناً ہو گئی تھی مگر اب عمارہ کی شادی پورے اہتمام سے کی جا رہی تھی۔ اصغر بیگ نے جب اس رشتے کے لیے ان کی رضامندی مانگی تو دادا ابا نے 'جو تم سب کی مرضی' والا گول مول جواب دیا تھا۔ انکار نہیں کیا تھا یہی ان کی رضا کا اشارہ تھا اور وہ بہت خوش تھے کہ سومہ سے ایثار کی شادی کا فیصلہ درست ثابت ہوا ہے۔ ابا اب ان سے اتنے خفا نہیں جتنے پہلے تھے۔

اس کا بھی زیادہ وقت ادھر گزر رہا تھا۔ اپنی شادی میں جو ارمان رہ گئے تھے، وہ انہیں اب پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہر قدم پر سب اسے اس کی روکھی پھیکی شادی کی یاد دلا ہی دیتے تھے۔

اس وقت بھی ایثار نے اسے اپنے مخصوص روٹھے سے انداز میں کمرے کی سمت جاتے دیکھا۔ اس وقت دادا ابا اور اشرف بیگ کے ساتھ پھوپھا اور اس کے ماموں بھی تھے۔ وہ چاہ کر بھی فوراً ان کے گھیرے سے نکل نہیں سکا۔ کچھ دیر بعد ضروری فون کال کا بہانا بنا کر وہ اسے ڈھونڈتا کمرے میں آیا۔

"تم فنکشن چھوڑ کر ادھر کیوں آ گئیں؟" آج مایوں تھی اور وہ اس کی مناسبت سے تیار ہوئی پلنگ پر آلتی پالتی مار کے بیٹھی تھی۔ اسے شوق تھا اور آج دل سے سجنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت وہ زرد گوٹا پٹی والے لمبے فراک میں چوڑیوں اور جھمکوں کے ساتھ ساتھ ماتھے پر ٹیکا بھی لگائے تھی۔ لائنر، مسکارے سے سجی آنکھیں، سرخ لپ اسٹک اور ہاتھوں میں مہندی، اس کی چھب آج معمول سے مختلف تھی۔

"میرے زخموں کے بخیے ادھڑ رہے ہیں، بھر بھر کے نمک پاشی ہو رہی ہے، ایک بار پھر ارمانوں کے خون کی یاد تازہ ہو رہی ہے......"

"ذرا آسان لفظوں میں اور اتنی سنگین مثالوں کے بغیر کہو پلیز۔"

"میری مایوں مہندی کچھ نہیں ہوئی، نہ کزنز نے

PKDAILYINFO.COM
Watermarkly

چھیڑا نہ اودھم مچایا، مجھ سے زیادہ وہ سب صدمے میں تھیں اور اب کہہ رہی ہیں، سومہ تمہاری باری کے مزے بھی ہم اب لے رہی ہیں، تمہاری شادی سے بور شادی آج تک نہیں دیکھی...... یہ اور وہ...... ان کی باتیں اور وہ سارے ہنگامے مجھے اپنی عجیب سی شادی کی یاد دلا رہے اور مجھے سچ میں افسوس ہو رہا ہے کوئی فنکشن ہوا نہ ڈھنگ کی تصویریں، میرے تو شادی کے کپڑے تک نہیں بنے تھے، کیا کیا نہیں یاد آ رہا، اس لیے آ گئی ادھر ورنہ میری شکل دیکھ کر پھر ایک نیا ٹریک شروع ہو جاتا تھا۔"

"تمہارا یہ افسوس ختم کرنے کے لیے کیا ہمیں دوبارہ شادی کرنا ہوگی؟" وہ اس کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔ سومہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"جو ہو نہیں سکتا وہ کہہ کر اور دل نہ دکھاؤ میرا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" وہ بھی پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"ابو کہیں گے میری چھٹیاں نہیں ہیں، ممی کو خرچے یاد آئیں گے، عمارہ کہے گی جب میری ایک بار ہو رہی ہے تو اس کی دو بار کیوں اور ماذ یہ کہے گی آپی کی دوسری بار چھوڑیں اور میری منگنی دیتی کر دیں......" وہ ذرا ٹھہری۔

"ہاں۔ تمہاری ہو سکتی ہے دوبارہ، پہلے والی کسی کو پسند نہیں تو سب خوشی خوشی اپنی پسند سے دوسری لانے کو تیار ہو جائیں گے۔"

"تمہارے ارمان تو پھر بھی رہ جائیں گے۔"

"یعنی......" وہ پوری اس کی طرف گھومی۔

"اس ساری بات میں تمہیں اپنی دوسری شادی پر اعتراض نہیں؟"

"یار! تمہارے ارمان ادھورے رہ جانے کا افسوس اس اعتراض سے بڑا ہے۔" اول دن سے ان کے بیچ کچھ بھی سیدھا تھا نہ سادہ تھا۔ وہ اس افسوس سے متاثر ہوئے بغیر سابقہ وضع میں آ گئی۔ وہ پیر لٹکائے ہی پیچھے بستر پر لڑھک گیا۔

"ویسے باقی سب کے ساتھ میری پسند بھی اہم ہے اور تم مجھے پسند ہو۔" ایثار نے کہا۔

"جھوٹ!" پٹ سے اور تیزی سے اس کے منہ سے نکلا۔

"بھولو مت، ہماری شادی سے دو دن پہلے تم ہانیہ سے شادی کرنے جا رہے تھے۔" اس نے نیچے دیکھتے ہوئے اسے جتایا۔

"شادی سے پہلے تو مجھے تمہاری شکل بھی یاد نہیں تھی......" اس صاف گوئی پر وہ ٹھیک ٹھاک تلملا اٹھی۔

"پسند تو اب شادی کے بعد آئی ہو۔" اس نے فقرہ مکمل کیا۔ مڑ کر اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہی سومہ کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ وہ پھر سامنے دیکھنے لگی اور اسی وقت ایثار نے کھینچ کر اسے بھی پیچھے پلنگ پر گرایا۔

"تمہیں ہر وقت کسی نہ کسی بات پر کڑھتے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔" اس نے سومہ کی طرف کروٹ لی۔ "جو ہونا تھا ہو گیا اور اچھا ہوا۔ میں خوش ہوں کہ میری زندگی میں ہانیہ نہیں تم آئیں۔"

"سچ میں؟"

"سچی اور اس لیے اب ہماری شادی کا افسوس مت کیا کرو، ہاں تمہیں میں نہیں پسند تو پھر تمہارا افسوس کرنا بنتا ہے۔"

وہ چپ چاپ چھت کو دیکھنے لگی۔

"مطلب تمہارا افسوس نامہ جاری رہے گا؟" اس نے کہنی بستر پر ٹکا کر ہتھیلی کنپٹی پر رکھی۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

سومہ...... "ایثار نے پکارا۔

"میں سوچ رہی تھی، تم مجھے پسند ہو یا نہیں؟" اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ایثار کے چہرے پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی۔

"پھر؟" چند پل ان کے درمیان معنی خیز سی خاموشی چھائی رہی۔

"ایکسل شیٹ والی بکواس نظر انداز کر دوں تو تم مجھے برے نہیں لگتے۔"

"اسے ساری عمر نظر انداز ہی کرو اور آئندہ جو

غم مت کرنا کہ جو ہوا، وہ ان چاہا نہ ہو سکا اس کا رنج ... زیادہ اہم اور خوبصورت ہے......"

ایثار نے اس کے ماتھے کا الٹا پڑا ٹیکا درست کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ چھوٹی موٹی سی خواہشوں کی پریاں ان کے درمیان اتر آئیں۔ ان دھڑکتے لمحوں میں ایک خوبصورت رسم پوری ہونے جا رہی تھی کہ دروازے کے قریب قدموں کی چاپ ابھری اور سومہ جھٹ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"آپ کو سب وہاں ڈھونڈ رہے ہیں سومہ آپی۔" دروازے میں اس کی دس سالہ کزن ذکری کھڑی تھی۔

"سب سے کہہ دو، سومہ آپی کہیں گم ہو گئی ہیں، مل نہیں رہیں۔" وہ بھی اٹھ کر بیٹھا۔ تب ہی دور سے دادا ابا کی پکار سنائی دی۔

"میں دادا ابا سے کہہ دیتی ہوں، تم کہیں گم ہو گئے ہو۔ مل نہیں رہے۔" اس نے ہنستے ہوئے آگے آ کر ذکری کا ہاتھ تھاما۔

"ان سے کہنا فضول ہے، وہ یا تال کھنگالنے کا بلنٹ رکھتے ہیں۔" وہ اس سے پہلے باہر نکل گیا۔

"یہ فرماں برداری!" اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

☆☆☆

"تائی امی!" وہ پر جوش سی باورچی خانے سے آواز لگاتی باہر آئی۔

"کہاں گئیں؟" انہیں وہاں نہ پا کر اس نے ایثار سے پوچھا۔

"دادا ابا کو بلانے گئی ہیں۔"

"دیکھو، کتنی گول روٹی بنی ہے مجھ سے۔" اس نے فخریہ انداز میں پلیٹ ایثار کے سامنے رکھی۔ آج اتوار تھا اور لبنی اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے یہ اس کی آخری روٹی تھی۔

"گول تو ہے۔" اس نے روٹی کو دیکھ کر سر ہلایا۔

"اتنی اچھی روٹی بنائی اور اتنا ٹھنڈا ری ایکشن!" اس نے کمر پر ہاتھ رکھا۔ وہ اتنے جوش میں ساس کو دکھانے آئی تھی کہ آج ان کا شکوہ دور ہو جائے گا لیکن وہ نہیں ملیں اور شوہر نام دار ذرا متاثر نہیں ہوئے تھے۔

"ایسے کاموں پر حوصلہ بڑھانے کے لیے انعام دیا جاتا ہے، ہاتھ چومتے ہیں لوگ، پیٹھ تھپتھپاتے ہیں، یہ سب تو دور مجھے ڈھنگ سے شاباشی دینے والا بھی نہیں کوئی۔"

اس نے منہ پھلایا۔ ابھی آگے مزید کہنے جا رہی تھی کہ ایثار نے اس کا کمر پر رکھا ہاتھ ہٹایا اور اس کے قول کے مطابق حوصلہ بڑھایا۔ سومہ کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

"روٹی دو ہاتھ سے بنتی ہے۔" اس نے فوراً دوسرا ہاتھ پیچھے کیا۔

"ویسے تم باتیں بھی بہت اچھی بناتی ہو۔" اس کا پیچھے والا ہاتھ جھٹ کھلے منہ پر رک گیا۔

دور سے دادا ابا کی آواز آئی تو اس نے ہاتھ چھڑایا اور باورچی خانے کی سمت دوڑ لگائی۔ چند سیکنڈز میں ہی اتنا کچھ ہو گیا تھا۔ وہ باورچی خانے میں بھی ہاتھ پیچھے کیے کھڑی تھی۔

"فائنلی سومہ کی گول روٹی۔" ان دونوں نے اپنی کرسیاں سنبھالیں۔ ایثار نے پلیٹ اٹھا کر ماں کے سامنے رکھی۔

"آ جاؤ تم بھی۔" انہوں نے تنقیدی نظر ڈال کر پلیٹ ایک طرف سرکائی اور باورچی خانے کی سمت رخ کر کے اسے بلایا۔ کب تک ادھر چھپی رہتی، آنا ہی پڑا۔

"ایک دو نہیں ساری روٹیاں ایسی گول بنی چاہئیں۔" انہوں نے مشقت سے بنی گول روٹی توڑتے ہوئے کہا۔ ہر شکل کی روٹی کے آخر بے شکل نوالہ بننے والا فلسفہ بیان کرنے کے بجائے خلاف عادت اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اور ہر گول روٹی پر سومہ کا انعام پکا۔" ایثار

پہلی بار ماں اور بیوی کے درمیان کودا۔
"اسے کا ہے کا انعام!" الفت نے تنک کر کہا۔ "وہ تو ہمیں ملنا چاہیے کتنے دن سے مختلف نقشے کھا رہے ہیں۔"

وہ دونوں مسکراہٹ چھپانے چپ چاپ اپنی پلیٹوں پر جھکے تھے۔

☆☆☆

نثار کا تبادلہ حیدر آباد ہوا تھا اور وہ اگلے ہفتے لبنیٰ کو لے کر وہاں جا رہا تھا۔ اس نے آج یہ فیصلہ والدین کو سنایا تھا۔ الفت اس بات پر ناراض تھیں کہ اجازت تو دور اس نے مشورہ تک نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا وہ پہلے جا کر خود وہاں سب انتظامات کرے، چند ماہ رہ کر دیکھے اور سب مناسب لگے تو ہی لبنیٰ کو لے جائے۔ وہ غلط تو نہیں تھیں مگر نثار کا کہنا تھا مناسب ہو نہ ہو، یا جیسا بھی ہو جب وہ ہر حال میں بیوی کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو ساتھ ہی لے جانا ٹھیک ہے اور بات بڑھتے بڑھتے روایتی رنگ اختیار کر گئی۔ آخر میں دادا ابو نے فیصلہ سنایا اور وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"آپ نے ایک کو اجازت دی تو دوسرا بھی یہ ہی کرے گا۔" الفت سسر کی خاموشی پر اور برہم ہو رہی تھیں۔ یہ ایک طرح سے ان کی حمایت تھی۔
"ایثار کی نوکری نہیں کہ اسے کہیں جانا پڑے۔"
"صاعقہ کی بیٹی کو آپ نے اس کی بیوی بنایا ہے، کل کو وہ اسی شہر میں الگ گھر لے کر رہنے کا شوشہ چھوڑ دے تو؟"
"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"
"کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہ نثار کے اس فیصلے کو وجہ بنائے گی کہ انہیں جانے دیا تو اب ہم بھی جائیں گے۔"

وہ اسے بلا ضرورت نہ صرف اس معاملے میں گھسیٹ رہی تھیں بلکہ صاعقہ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے انہیں اس کی روباہ سرشت اور نیت کا بھی یقین تھا۔ باورچی خانے میں کھڑی سومہ کو دکھ ہوا۔
"آپ بھی تو کچھ کہیں۔" الفت کو شوہر پر بھی غصہ تھا۔ پہلے وہ باپ کے سامنے چپ رہتے تھے، اب بچوں کے آگے۔
"کوئی کچھ نہیں کہے گا اب۔" دادا ابا کی کڑک دار آواز گونجی۔ "فیصلہ ہو چکا، نثار اور لبنیٰ ایک ساتھ حیدر آباد جائیں گے۔ ایثار اور سومہ ہمیشہ یہیں رہیں گے۔"
"لو جی ہو گیا فیصلہ!" اس نے سوچا۔ "جن کا لینا دینا بھی نہیں ان کا بھی۔"
"انہیں اپنی مرضی کرنے دی تو دیکھنا ایک دن ہم بوڑھے تنہا رہ جائیں گے اس گھر میں۔" اب وہ رو رہی تھیں۔
"ایثار!" دادا ابا کی پکار پر وہ چونکی۔
ایثار کب آیا؟ وہ اس وقت گھر نہیں آتا تھا۔
"کیا تم کبھی بھی یہ گھر چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟"
"دادا ابا! میرا......"
"ہاں یا نہ میں جواب دو۔" ان کا انداز حکمیہ تھا۔
"نہیں۔"
"ہو گئی تسلی۔ اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" دادا ابا شاید اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ الفت اب اشرف بیگ کے سر تھیں کہ یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ دادا ابا کو ان کی بیٹی پٹیاں پڑھا رہی ہیں۔ بیٹا "سسر دونوں ان ماں بیٹی کی مٹھی میں ہیں اور یہ سب دیکھ کر سومہ کے بھی جلد پر نکل آئیں گے۔
"ایثار پر بھروسا رکھو، وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گا۔" تایا ابا کی بات پر وہ اسٹول پر بیٹھ گئی۔ سب کو ایثار پر بھروسا تھا، ایسے میں کیا وہ بھی اس پر بھروسا کر سکتی تھی؟ کیا یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ممکن تھیں؟ ایک بار پھر اس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ اسے ہمیشہ یہی دھڑکا لگا رہتا تھا اچانک کسی دن، کسی بات پر

اسے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیا جائے گا اور ایثار...... بس یہیں آ کر اس کی سوچ مفلوج ہو جاتی تھی۔
جانے وہ کتنی دیر تک باورچی خانے میں بیٹھی رہی۔ وہ اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی مگر سب بھول کر جب وہ وہاں سے نکلی تو ہال میں صرف الفت بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے سامنے سے گزر کر جانے لگی تو ان کی آواز آئی۔
"تم اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ ایثار تمہیں اس گھر سے لے جائے گا۔"
"میں نے کب کہیں جانے کا کہا اور میری کس بات سے لگا آپ کو کہ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں؟" وہ بہت سنجیدہ تھی۔
"ہونہہ! یہ ڈھکوسلے ایثار کے سامنے کرنا۔" ان کا انداز آج ہمیشہ سے مختلف تھا۔
"سب جانتی ہوں میں اندر اندر تم ماں بیٹی کی کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"
خود ساختہ مفروضات کا کوئی علاج نہیں، اس کے سامنے کوئی دلیل اور ثبوت کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اتنے دنوں سے ان کے سلوک کو دیکھتے ہوئے اسے لگنے لگا تھا کہ تائی امی اسے اتنا ناپسند نہیں کرتی ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ کسی اور کی حرکت، کسی اور کا غصہ اور معتوب وہ ٹھہری۔
وہ بات بڑھائے بنا وہاں سے جانے لگی کہ پھر پیچھے سے انہوں نے کہا۔
"یاد رکھو، دادا کے ایک حکم کی دیر ہے، ایثار تمہیں ہاتھ پکڑ کر باہر کر دے گا اور وہ دن آئے گا ضرور۔"
وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئی کہ وہ مزید زہر افشانی نہ کریں۔
جب سے سوچتے سوچتے اس کا ذہن سارے ممکنات اور متوقع صورت حال سوچ چکا تھا۔
ایثار غسل خانے سے باہر نکلا تو وہ کمرے کے بیچ کھڑی تھی۔

"کہاں تھیں تم؟ کال کی تو فون بھی یہیں تھا تمہارا اس طرف گئی تھی؟" اس نے تولیہ کرسی کی پشت پر ڈال کر اسے دیکھا۔
"ہیلو!" اس نے سامنے آ کر چہرے کے آگے چٹکی بجائی۔ "میں یہاں تک بھری ہوں......" اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔
"دھکا بھی لگا نا تو بری طرح پھٹ پڑوں گی۔" اس نے تنبیہی انداز میں کہہ کر اکیلے رہنے کی خواہش کا عندیہ دیا اور اس کی سمت پشت کر لی۔ ایثار پھر سامنے آیا، اس کے سر پر وہیں ہاتھ رکھا جہاں اس نے رکھا تھا اور اس کا رخ پورا اپنی طرف کیا۔
"دھکا لگ گیا، اب پھٹ پڑو، خالی کر لو خود کو۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر اور پلکیں جھپکا کر پھر کچھ تنبیہ کرنا چاہی لیکن الفاظ منہ سے نکلے ہی نہیں۔
"رونے میں کیا شرمانا۔" ایثار نے جیسے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ واقعی پھٹ پڑی۔
"ارے تم تو اس معاملے میں کافی بے شرم ہو......" اس نے ماحول ہلکا کرنا چاہا۔ وہ دونوں ہاتھ سے چہرہ ڈھانپے زار و قطار رو رہی تھی۔
"اتنے آنسو کس بات پر؟" اس نے شانوں سے پکڑ کر اسے پلنگ پر بٹھایا۔ وہ کچھ کہے بنا روتی رہی۔ ایثار نے بمشکل اسے چپ کرایا۔
"تم اتنی ناسمجھ یا کمزور تو نہیں کہ یوں رونے لگو۔" وہ بھی اس کے سامنے ٹک گیا۔
"ایثار! تم اور میں بہت مختلف ہیں، ہم دونوں کا مزاج، زندگی برتنے اور گزارنے کا طریقہ بھی الگ ہے، دادا ابا اب تک ابو اور ممی کو سزا دے رہے ہیں، انہوں نے انہیں معاف نہیں کیا، تائی امی بھابھی کو دل سے قبول نہیں کر پائیں اور ہم دونوں......" وہ رک گئی۔
"ہم دونوں کیا؟"
"ہم دونوں اتفاق سے اس بندھن میں بندھ گئے ہیں ورنہ یہ ناممکن تھا۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم جیسے بھی

PKDAILYINFO.COM
Watermarkly

بندھے ہوں، اب راضی ہیں اور یہ کافی ہے۔"
"یہ کافی نہیں ہے ایثار!" اس کی آنکھ میں پانی جمع ہونے لگا۔ وہ واضح طور پر حیران ہوا، اس کے چہرے سے الجھن مترشح تھی۔
"امی یا دادا ابا نے پھر کچھ کہا ہے تم سے؟" اس نے انکار میں سر ہلایا۔
"یہ تو صاف ہے تم ان کی باتیں اور میری نہ سن چکی ہو۔" اس نے سر جھکا لیا۔
"تمہیں الگ ہونا ہے؟" اس کی آواز میں حیرت تھی نہ بے یقینی۔ عام سے انداز میں اس نے پوچھا تھا۔
"نہیں لیکن ہم دونوں کو زندگی سے مختلف چیزیں چاہئیں، ہماری اس سے توقعات اور مقصد بھی مختلف ہیں۔"
"وہ کیا؟"
"مجھے انصاف اور تمہیں امن و سکون۔"
"میں نے کوئی ناانصافی کی تمہارے ساتھ؟" اب کے وہ حیران تھا۔"
"ابھی تک تو نہیں۔"
"تم اوور تھنکنگ کا شکار ہو سومہ! مجھے صرف تم چاہیے ہو۔ جو ہو جیسی ہو ویسی اور کچھ نہیں، میری کوئی ڈیمانڈ نہیں۔"
"میری ہے۔"
"اور میں وہ پوری کیوں نہیں کر سکتا؟" اس نے ایک گہری سانس لی۔
"ہمارے بیچ ایک دیوار کا فاصلہ تھا، اس کے باوجود تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میری بے تحاشا باتیں دراصل میرے اندر کی بے کلی اور خلا ہے جو میری آواز کے شور سے کچھ کم ہو جاتا ہے۔
کسی بڑے مفکر یا فلاسفر نے کہا تھا 'انصاف کے بنا امن ناممکن ہے' اور میرا یقین بھی یہ ہی ہے۔ میرے تیئیس سالہ تجربے اور مشاہدے کے بعد میرا ایمان ہے کہ انصاف کے بنا امن اور سکون نہیں رہتا، نہ دل میں نہ زندگی میں نہ گھروں میں نہ رشتوں میں۔
سکون کے لیے محبت کافی نہیں، ممی ابو کی زندگی اس کی مثال ہے۔ انہوں نے گھر والوں کے خلاف جا کے محبت حاصل کی تھی مگر بعد میں ان ہی گھر والوں کی وجہ سے زیادہ وقت لڑتے رہتے ہیں۔ دادا ابا نے انہیں گھر میں جگہ دے دی، دنیا کے لیے ممی کو قبول بھی کر لیا لیکن معاف نہیں کیا،
پوتے نے محبت کی، تو اسی نے محبت کی ان کی خوشی خوشی شادی کروا دی، کم سے کم ایک کے بعد تو انہیں ممی ابو کی رسی چھوڑ دینی چاہیے تھی مگر ابو کی نافرمانی اور غلطی کی قیمت وہ اب تک وصول کر رہے ہیں۔
دو بیٹوں کے خاندان اور ان کے بچوں کے ساتھ دادا ابا نے ایک سا رویہ نہیں رکھا عدل نہیں کیا۔ وہ ممی ابو سے خفا تھے بھی تو ہم تینوں کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ بچپن سے ہمیں وہی پیار اور توجہ دی ہوتی جو تمہیں اور نثار بھائی کو دی تو ہمارے دل میں بھی شاید ان کی وہی عزت اور مقام ہوتا جو تمہارے دل میں ہے، وہ تو ہمارے نام تک نہیں لیتے ہیں،
وہ سربراہ تھے تو ظاہر ہے ان کے بعد سب نے اس رویے کی تقلید کی اور ابو، وہ دادا ابا کو پہنچائی تکلیف کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش میں اکثر بیوی بچوں کے ساتھ ناانصافی کر جاتے ہیں، ان کا رویہ بھی عدل کے منافی ہے، رشتوں کا مقام یہاں کسی نے متعین کیا ہی نہیں تو اس کے تقاضے اور حدود کیا طے کرتے کہ کسی کو خوش رکھنے کہاں تک جانا ہے، کہاں سے دوسرے کے ساتھ زیادتی شروع ہوتی ہے، کسی کا دل خوش کرنے کے لیے دوسرے کا دل دکھانا کب تک ٹھیک ہے۔
دادا ابا اور پھر ابو ممی کے رویے نے ہم سب کو اس گھر سے متنفر اور دور رکھا۔ ممی ابو کو پوری کوشش کرنی چاہیے تھی بلکہ یہ ان کا فرض تھا کہ ہم بچے اپنے دادا اور تایا کے گھر والوں سے بدل نہ ہوں۔" وہ ذرا سا رکی۔

"مجھے کہتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا لیکن ممی ابو نے پہلی اور آخری اولاد والا پروٹوکول اور محبت بیچ والی کو نہیں دی، میں ہمیشہ پیچھے رہی یا نظر انداز ہوتی رہی۔ ان کی اس ناانصافی نے مجھے ہمیشہ بے چین رکھا، میں نے کبھی اس بات کو دل میں نہیں رکھا، ہمیشہ برملا اظہار کیا کہ عمارہ اور ماریہ کی اہمیت مجھ سے زیادہ ہے مگر اس کے بعد بھی میں بے سکون ہی رہی، اس امتیاز کی وجہ سے میری مکمل شخصیت میں کئی خلا ہیں، کئی کمیاں ہیں۔
محبت اور پسند پر اختیار نہیں ہوتا ہے، کوئی ہمیں زیادہ پسند ہے، کسی سے ہمیں زیادہ محبت ہے تو اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن ایک چیز جو اس سے زیادہ اہم اور ہم انسانوں کے اختیار میں ہے۔ وہ ہے سلوک میں انصاف اور مساوات، ظاہری رویوں میں اعتدال اور برابری۔ محبت کم زیادہ کریں مگر اکثر اس معاملے میں انسان بے بس ہے مگر سلوک تو ایک سا کریں، ظاہری رویے سے دوسرے کو کمی کا احساس تو نہ کرائیں اسپیشلی والدین۔
یہ میرا اور ممی ابو کا معاملہ ہے۔ اس میں تم کچھ نہیں کر سکتے، میں محض اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس عدم توازن نے مجھے وہ بنایا جو میں آج ہوں اور انصاف کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کر سکتی۔"
وہ کچھ حیران اور کچھ اداس بغور اسے سن رہا تھا۔ جانے کب سومہ کے ہاتھ اس کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ اسے نہیں علم تھا دیوار کے اس طرف بظاہر عام سی اور خوش مزاج کزن کس محرومی کا شکار بھی ہے۔
"تم اختلاف، بحث اور لڑائی سے بچتے اور امن قائم رکھنے کی خاطر سب کی سن لیتے ہو، مان لیتے ہو، خود کو پس پشت ڈال دیتے ہو اور مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کہ سب کو خوش رکھنے والا تمہارا مزاج ایک دن ہمارے درمیان بھی یہ ہی سچویشن لے آئے گا جہاں انصاف کا ترازو بیلنس نہیں رہے گا اور جہاں ناانصافی ہو، وہاں دل میں برائی آ ہی جاتی ہے، امن سکون قائم نہیں رہتا۔
تمہارے امن قائم رکھنے والے رویے سے ہو سکتا ہے میرے دل میں بھی تائی امی اور باقی سب کے لیے تلخی جذبات اور انتقامی خیالات جمع ہو جائیں۔
میں نے ساری عمر خود کو ان سے بچایا ہے، میں نے کوشش کی کہ اس گھر کے مکینوں کی طرح اپنے دل میں دوسروں کے لیے تلخی نہ رکھوں، شکوے اور باتیں جمع نہ کروں، خوامخواہ کسی کو ناپسند نہ کروں، میرا ایٹیچیوڈ، عادتیں اور زیادہ بولنا بھی اس لیے ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں اور کوئی ناانصافی نہیں چاہیے، میں نے عہد کیا ہے کسی کو اپنے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کرنے نہیں دوں گی......"
آنسو گالوں پر پھسل آئے اور اس نے سر جھکا لیا۔
"اب تم اتنے اہم ہو گئے ہو کہ مجھے بہت کچھ برا لگ جاتا ہے جو پہلے نہیں لگتا تھا۔ تمہیں بھی پتا ہے میرے اندر بیویوں والی محبت سے پہلے بیوی والی جلن جاگی تھی، مجھ پر ہر وقت یہ خوف سوار رہتا ہے، دادا ابا تمہیں کچھ حکم دیں گے اور تم......" اس سے بولا نہیں گیا۔
"سومہ!" ایثار نے ہاتھ چھوڑ کر اس کے آنسو پونچھے۔
میں تمہیں اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" اس کا لہجہ ہی تاسف بھرا نہیں تھا۔ چہرے کے تاثرات بھی افسردہ تھے۔
"آں......؟" اس کی حیرانی بڑی بے ساختہ تھی۔
"آج سے پہلے کسی نے اتنا گھما پھرا کے آئی لو یو نہیں کہا ہوگا......"
ایثار نے بڑے دکھی انداز میں کہا۔ وہ اس وقت بے حد دکھی تھی، اس نے مان لیا تھا ان کا ایک ساتھ رہنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے اور اگلی بات وہ یہ ہی کہنے جا رہی تھی مگر ایثار کی بات پر اگلی سانس

باتیں اس کے ذہن سے محو ہو گئیں۔

"اور وہ بھی ایسا روتے ہوئے۔"

"میں اتنی سیریس ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے!" وہ سچ میں خفا ہو گئی۔

"مجھے یقین ہے تم سیریس ہو تم بھی یقین کرو، میں مذاق نہیں کر رہا۔" وہ مسکرایا مگر چہرہ پر سوچ تھا۔

"تمہارا تجربہ، مشاہدہ، تجزیہ سب ٹھیک ہے۔ یہ سب تھوڑا بہت میں نے بھی کیا ہے، سنو گی؟"

سومہ نے سر ہلایا۔

"زندگی میں آئیڈیل سچویشنز نہ کے برابر ملتی ہیں۔ تم جس کی امید کر رہی ہو، وہ ناممکن تو نہیں لیکن آئیڈیل ہی ہے کہ محبت کم زیادہ ہو مگر رویے انصاف کے ترازو کو بالکل بیلنس رکھیں۔

سکون اور امن کے لیے سب سے پہلی قربانی ہمیں خود دینا پڑتی ہے۔ محبت، سکون، انصاف، ہمارے رشتے اور ان سب کی خوشیاں، اپنے دونوں ہاتھوں میں اتنا ہی سمیٹنا چاہیے جتنا سنبھال سکیں، سب کچھ قریب اور پرفیکٹ رکھنے کی کوشش مسلسل مشقت ہے کہ یہ نہ پھسلے، وہ نہ چھوٹے، بندہ بس تھکتا ہے، انجوائے کچھ نہیں کرتا۔

رشتوں میں بھی ترجیحات سیٹ کر لیں تو آسانی ہو جاتی ہے، جیسے مجھے اس تعلق میں ہر حال میں ایمان دار رہنا ہے، یہاں بغض نہیں پالنا، زیادہ الجھنیں پیدا ہونے لگیں تو تھوڑا فاصلہ رکھ لینا ہے، یہ تعلق اتنا خاص ہے کہ تھوڑا کمپرومائز کر لینا ہے، یہ اتنا اہم ہے کہ اس کے لیے تھوڑا جھک جانا ہے وغیرہ۔

ہاں یہ مانتا ہوں کہ والدین کا رویہ سب بچوں کے ساتھ ایک سا ہونا چاہیے، یہاں انصاف لازم ہے مگر اس کے علاوہ سب کچھ برابری کا یہاں کم ہی ملتا ہے یعنی میری اتنی محبت اور فکر ادھر بھی ہو، یا جتنا میں ایڈجسٹ کر رہا ہوں، بالکل اتنا ہی مقابل بھی کرے، ایک بار میں جھکا تو اگلی دفعہ وہ ہی جھکے، معافی اور درگزر کا حساب بھی برابری کا رہے، ایسا نہیں ہوتا بلکہ ان سب میں ایک پلڑا ہمیشہ جھکا ہی رہتا ہے، ان شارٹ تعلقات میں پرفیکٹ جسٹس اور بیلنس مشکل ہے۔" وہ ذرا دیر کو ٹھہرا تھا۔

"ان سب کے ساتھ کہوں گا کہ مجھ پر بھروسا کرو سومہ! پرفیکٹ زندگی اور پرفیکٹ ماحول کا وعدہ نہیں کرتا لیکن میری وجہ سے تمہارے اندر کوئی بے کلی بے چینی نہیں اترے گی یہ وعدہ۔ یہ سچ ہے کہ مجھے گھر اور اپنی زندگی میں شانتی پسند ہے لیکن یہ بھی یاد رکھو میں ان ریز بجمل فیصلے نہیں کرتا۔"

ذرا دیر پہلے روتے ہوئے وہ سوچ چکی تھی کہ انہیں الگ ہو جانا چاہیے کہ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں ساری عمر اس تنگ رسی پر چلیں، ہمیشہ خدشات سر پر ڈولتے رہیں اور گھر والے انہیں الگ کرنے پر کمر بستہ ہوں، اس سے اچھا تھا اس وقت راستے الگ کر لیے جاتے۔

اسی خیال نے اتنا رلا دیا تھا مگر اس پل ایثار کی بات اسے نادم کر گئی۔ وہ حد درجہ ناامید اور قنوطیت کا شکار ہو گئی تھی جبکہ وہ مثبت اور پر امید تھا۔

"میں اب بھی مانتی ہوں ایثار! کہ عدل کے بنا امن ممکن نہیں اور میں اتنی مایوس ہو گئی تھی کہ ابھی تم سے کہنے والی تھی ہمیں آگے بڑھنے کے بجائے ابھی الگ ہو جانا چاہیے۔" اس نے سر جھکا کے اعتراف کیا۔

"اور میں مانتا ہوں کلیئر پرائرٹیز کے ساتھ رشتہ اور سکون قائم رکھنے کی صرف ہماری اپنی خواہش ہی کافی ہوتی ہے پھر ہم اس کی خاطر خوشی خوشی سب کچھ کر لیتے ہیں، اور...... " اس نے پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔

"میں کہنے والا تھا اب جب کلیئر ہے کہ ہم اس ساتھ سے خوش ہیں تو ہمیں خوشی خوشی الجھے پڑے معاملات بھی نپٹا لینے چاہئیں۔" سومہ نے سر اٹھایا اور ایثار کی نگاہوں سے ہو رہی معاملات کی تشریح اسے سرخ کر گئی۔

☆☆☆

"ارے ادھر کیوں آ گئے؟" آہٹ پر وہ پلٹی تو ایثار اندر آ رہا تھا۔

"گرمی ہے بہت، وہیں بیٹھو بس ہو گیا میں بھی آ رہی ہوں۔" اس نے آخری روٹی توے سے اتارتے ہوئے کہا۔ اتوار کا دن ہی وہ دوپہر میں گھر ہوتا تھا۔

"میں گول روٹیاں چیک کرنے آیا ہوں۔" اس نے ہاٹ پاٹ میں جھانکا۔

"آج تو ایک بھی پرفیکٹ گول نہیں بنی۔" وہ ہنسنے لگی۔

"اور تم اس پر خوش ہو؟"

"دکھی کیوں ہوں اس بات پر؟"

"یہ ہوتا ہے، جب بنا محنت کے انعام ملے تو لوگ محنت سے جان چراتے ہیں۔" اس کی بات پر اسے زور سے ہنسی آ گئی۔ اسی وقت الفت اندر آ گئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے حیرت سے بیٹے کو دیکھا۔ انہیں یاد نہیں آیا اس سے پہلے کب وہ ادھر آیا تھا۔

"بہت بھوک لگی ہے امی! اس لیے دیکھ رہا تھا کتنا وقت ہے۔"

"بیٹھو لگا رہی ہوں میں ٹیبل۔" انہوں نے کراہت چھپانے کی کوشش کرتی سومہ کو ناگواری سے دیکھا۔

"خیال رکھا کرو، لیٹ نہ ہو۔"

"جی۔" خلاف معمول اس نے جتایا نہیں کہ دیر نہیں ہوئی ہے ابھی دو بجے ہیں اور یہ ہی وقت ہے کھانے کا۔

"آپ دادا ابا اور تایا ابا کو بلا لیں، تب تک میں کھانا لگا دیتی ہوں۔" اس نے مصروف انداز میں کہا۔ وہ کچھ کہے بنا چلی گئیں۔

"مرچ مسالے حساب سے ڈالا کرو، یہاں کوئی مریض تو نہیں ہے۔" پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہی انہوں نے تنک کر کہا اور بغور ان کا چہرہ دیکھتی عادت کے برعکس وہ چپ ہی رہی۔ اسے اس ٹوکنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلا دن ایک نیا امتحان لیے بیدار ہوا تھا۔ بازار میں تائی امی سے ہانیہ کی امی ٹکرائیں اور ایک دوسرے کے لیے زمانے بھر کا غصہ دبائے دو عورتوں کا سامنا حسب دستور طوفان لے آیا۔ الزام تراشی اور نئے نئے انکشافات کے دوران رازوں سے پردہ اٹھا اور اصل تباہی سومہ کی زندگی میں مچی۔

جس دن ہانیہ نے زیادہ مقدار میں نیند کی گولیاں نگل لی تھیں۔ اس دن صبح اسے فون کال موصول ہوئی تھی جس میں اسے ایثار کی غلط عادتوں اور برے کردار سے باخبر کیا گیا تھا۔ ہانیہ نے جب یہ بات گھر میں کہی تو فون کا وقت سب کو مشکوک لگا۔

سب کا خیال تھا یہ کسی حاسد اور دشمن کی شرارت ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اچھی طرح چھان بین اور تسلی کرنے کے بعد ہی رشتہ طے کیا تھا۔ ایثار کے متعلق ان کی معلومات میں کوئی قابل گرفت بات نہیں تھی۔ معاشرے میں اور جان پہچان والوں میں دادا ابا کا نام اور مقام تھا۔

بزرگوں کا خیال تھا اس نازک وقت میں ایسی بات کہنا یا تصدیق کی کوشش کرنا کہیں شادی مشکل میں نہ ڈال دے کہ دادا ابا کا مزاج بھی سب جانتے تھے۔ غور و فکر اور مشورے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ابھی کسی سے کچھ نہ کہا جائے۔ شادی کے بعد دیکھا جائے گا کب اور کس سے کہا جائے کہ رشتہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ کوئی اسے اس مشکوک فون کال کی وجہ سے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

بڑوں کا یہ فیصلہ ہانیہ کو منظور نہیں تھا اور جب کسی نے اس کے تحفظات کو توجہ اور اہمیت نہیں دی تو اس نے نیند کی گولیاں کھا لیں۔ پڑھی لکھی سمجھ دار اور باشعور بیٹی کی اس حرکت نے اس کے والد کو بھی آئی سی یو میں پہنچا دیا۔ اس کی امی نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ شوہر اور بیٹی کی حالت کے بعد وہ کسی قیمت پر

اس شادی کے لیے راضی نہیں تھیں۔ ان کے نزدیک یہ رشتہ ہی منحوس تھا اور یہ اللہ کی جانب سے بروقت اشارہ تھا کہ آگے نہ بڑھا جائے۔

اس کے بعد ہانیہ کے چچا نے دادا ابا کو فون پر نکاح سے منع کر دیا۔ ہانیہ نے کافی دن بعد ماں کو بتایا کہ فون کس نے کیا تھا۔ وہ اپنے بہی خواہ کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی لیکن جب اسے ایثار اور سومہ کی شادی کا علم ہوا تو اسے اپنے استعمال کیے جانے اور بے وقوف بن جانے پر شدید غصہ آیا تھا۔ اس کے بعد بھی ہانیہ کے والد کی طبیعت کے پیش نظر بڑوں نے طے کیا تھا کہ اسے مزید لمبا نہ کھینچا جائے۔

ظاہر ہے آمنے سامنے یہ سب کہنے سننے کے بعد گرما گرمی، بحث اور لڑائی جھگڑے ہونے ہی تھے۔ ساری احتیاط اور درگزر آج بے کار ثابت ہوئی تھی۔ اصل الزام اس مخبر کا نام معلوم ہونے کے بعد سچ لگے تھے اور اب الفت غصے سے کانپ رہی تھیں۔

"یہ سب ان کی ملی بھگت تھی ابا! اسی لیے تو فوراً بیٹی دے بھی دی ہمیں یہ ہی تو ان کی منشا تھی، ہم کیسے ان کے ہاتھوں کھلونا بنے، ہمارے خون میں کیسی ایسی چالاکیاں......" ان کی اونچی آواز سن کر وہ دونوں بھی کمرے سے باہر نکلے تھے۔

"کیا ہوا امی؟" ایثار نے پوچھا۔ انہوں نے اسے ان سنا کر کے پیچھے کھڑی سومہ کو کھینچ کر سامنے کیا اور کوئی کچھ سمجھ پاتا، اس سے پہلے ہی کمرہ زناٹے دار تھپڑ کی گونج سے بھر گیا۔

"امی!" ایثار اپنی آنکھوں کے سامنے رونما ہوئے واقعے پر بے یقین سا ماں اور بیوی کے بیچ آیا۔

تکلیف کے مارے سومہ کے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ حیران تھی مگر بے یقین نہیں، وہ لاشعوری طور پر ہمیشہ اس لمحے کی منتظر رہتی تھی۔ سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے بھی کہیں اس کی چھٹی حس اسے ہمیشہ اشارے [illegible] رہتی تھی [illegible] الفت نے [illegible] کی [illegible] سے

ایثار کو ایک طرف کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"نکلو ابھی میرے گھر سے، کوئی جگہ نہیں ہے تمہاری یہاں۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھیں۔ ایثار تیزی سے دونوں کے آگے آیا اور سومہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں امی آپ......"

"تم چپ رہو۔" وہ پھر سومہ کی سمت لپکی تھیں کہ ایثار نے اسے اپنے پیچھے چھپایا۔

"کوئی کہیں نہیں جا رہا ہے، آپ کس لیے اتنا غصہ ہیں؟"

الفت مارے غصے کے کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔ انہیں سومہ کو نظروں سے دور کرنا تھا اور وہ دیوار بن کر کھڑا تھا۔

"ہانیہ کی سوسائیڈ کی کوشش اور شادی سے انکار......" اشرف بیگ کی تھکی سی آواز ابھری۔

"اس دن مازیہ نے اسے فون کر کے تمہارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں کہ تمہارا کردار ٹھیک نہیں ہے اور بھی ایسے ہی جھوٹ۔"

سومہ کو پورا کمرہ گھومتا محسوس ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ایثار کا بازو تھاما۔ ایثار کو بھی دھچکا لگا تھا۔

"یہ ان سب کی ملی جلی سازش تھی، شادی تڑوانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہ اس گھر میں آئے، ہمارے سر پر مسلط ہو، ایسے تو یہ کبھی نہ ہو پاتا، ابا! آپ بلائیں انہیں اور اسے چلتا کریں ابھی اور اسی وقت، میں اب ایک سیکنڈ بھی برداشت نہیں کر سکتی اسے۔"

"اس میں سومہ شامل نہیں ہے امی۔" ایثار کی آواز اسے دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اس کی جانب ایک نظر ڈالے بنا ہی یقین سے کہا تھا۔ زندگی کی بڑی بڑی خوشیاں بھی کبھی ایسے حالات میں ملتی ہیں جب ان پر رونا ہی آتا ہے۔

"دیکھا...... دیکھ رہے ہیں آپ......" وہ تیورا کر سسر اور شوہر کی پلٹیں۔

"کیسے اس کی طرف داری کر رہا ہے......"

انہوں نے سر پر ہاتھ مارا۔

پیچھے کھڑی سومہ کی گرفت اس کے بازو پر ڈھیلی پڑی، ایثار نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ہونٹ خنک اور سفید ہو رہے تھے۔ بحث چھوڑ کر اس نے اسے قریب صوفے پر بٹھایا اور خود ہی پانی لینے باورچی خانے میں گیا۔ پانی پینے کے بعد ہوش بحال ہوئے تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اپنے لیے ان چہروں پر شفقت اور محبت تو اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی مگر اس وقت وہاں جو نفرت تھی وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ایثار نے پوچھا اور وہ سر گھما کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہاں نفرت نہیں ہے۔" اسے خوشی ہوئی اور مسرت کا یہ احساس اگلے پل درد کی لہر بن کے اسے رلا گیا۔

"اسے گھر چھوڑ آؤ ایثار۔" دادا ابا کی سرد آواز آئی۔ وہ کھڑا ہوا۔

"بحث مت کرو ایثار۔" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی الفت نے ٹوکا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ کھڑی ہوئی۔ ایثار اس کی طرف مڑا۔

"مجھے بھی اپنے گھر والوں سے کچھ سوال کرنے ہیں۔" اس نے باہر جانے والے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

"وہیں رہنا، اب واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" الفت نے کہا۔

"دادا ابا! امی پاپا!" دہلیز کے قریب اس نے ایثار کو سنا جس نے باری باری سب کو مخاطب کیا تھا۔

"آپ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں سومہ کو سزا دوں گا، اس سے بدلہ لوں گا یا اسے چھوڑوں گا۔"

اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ ایثار کی طرف سے اسے جو شبہ رہتا تھا۔ وہ غلط نکلا تھا مگر وہ خوش نہیں ہو سکی۔ اب اسے اپنے انصاف انصاف کی پکار بے معنی لگ رہی تھی۔ غلطی، خطا، گناہ سب اس کی بہن نے کیا تھا تو اس وقت انصاف کا تقاضا کیا تھا؟ اس کا دل بری طرح ڈوب رہا تھا۔ وہ اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نہیں نکال رہا تھا بلکہ یہ اس کے خود وہاں سے چلے جانے کا وقت تھا۔

"اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔" دادا ابا کی گرج دار آواز پر اس کا دل کانپا تھا۔ پورچ تک ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"شادی کا فیصلہ ہمارا تھا۔ یہ فیصلہ بھی ہمارا ہوگا۔" اپنے حصے میں آتے ہوئے اس نے آخری بات سنی تھی۔

☆☆☆

پہلے تو مازیہ نے ماننے سے انکار کیا اور کہا یہ ہانیہ بدلہ لینے کی کوشش ہے۔ لیکن جب اس کے کڑے استفسار پر مازیہ نے روتے ہوئے اعتراف کیا تو اسے دو چار تھپڑ لگانے اور برا بھلا کہنے کے بعد صاعقہ نے "ایکشن پلان" مرتب کیا۔

"کسی کے سامنے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے یہ ہی کہیں گے ہم کہ ہانیہ اور اس کے گھر والے جھوٹ کہہ رہے ہیں، مازیہ نے کسی کو فون نہیں کیا تھا، سومہ سے شادی انہیں برداشت نہیں ہو رہی ہے، اس لیے جھوٹ کے سہارے یہ رشتہ تڑوانا چاہتے ہیں۔"

"اگر ان کے پاس ریکارڈنگ ہوئی تو؟" عمارہ کا سوال غلط نہیں تھا۔

"ایسا ہوتا تو وہ اب تک سنا چکے ہوتے۔" صاعقہ بری طرح جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"اگر سنا بھی دیا تو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر ہم ڈٹے رہیں، مازیہ! تم وہ سم توڑ کر پھینک دو۔" مازیہ جیسے ذہنی طور پر وہاں تھی ہی نہیں۔

"سن رہے ہیں نا آپ؟" انہوں نے شوہر کو پکارا۔

"مہربانی کر کے اپنے ابا کے سامنے بکواس مت

جانا۔ یہاں بھی آپ کی بیٹی کا سوال ہے، خدا کے واسطے اب بچوں کا سوچیں۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے۔

اصغر بیگ چپ تھے لیکن پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔ وہ سچ کہہ کر باپ کے سامنے ایک بار پھر سر نہیں جھکانا چاہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ڈھٹائی سے جھوٹ کہہ کر سر اونچا رکھنا انہیں آسان لگ رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ سچ مان لیا تو وہ کبھی ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہیں گے۔

"اور سومہ کا کیا؟ وہ اسے نہ لے جائے تو؟" عمارہ کا اگلا سوال تھا۔

صاعقہ نے بیٹی کو دیکھا۔ وہ پتھریلے سے تاثرات لیے بیٹھی تھی۔

"تم ایثار کو منانے کی کوشش کرو، وہ مان جائے تو باقی سب کی ضرورت بھی نہیں۔"

"ایثار مانے گا؟ وہ کب گھر والوں کے خلاف گیا ہے۔" عمارہ ہمیشہ درست نکتے اٹھاتی تھی۔

"ایسا ہوا تو......" صاعقہ نے گہری سانس لی۔

"ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے، سومہ یوں بھی شادی کے لیے تیار نہیں تھی، ہم نے ہی زبردستی کی تھی، اس کے لیے اچھا ہی ہوگا اگر ابھی الگ ہو جائے۔"

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب ایسے ہی سنبھالا جا سکتا ہے سب۔" وہ شوہر کو دیکھ کر کچھ نرم پڑیں۔

"اگر ابھی کمزور پڑ گئے تو ساری عمر سر نہیں اٹھا پائیں گے، ویسے انہیں غیروں کی باتوں پر یقین کر کے یوں سومہ کو گھر سے نکالنے سے پہلے ہم سے پوچھنا چاہیے تھا لیکن وہ ہمیں اپنا سمجھتے ہی کہاں ہیں، وہ تو بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں، کب ہمیں شرمندہ کریں، نیچا دکھائیں، باتیں سنائیں، الزام لگائیں۔" وہ اس وقت چوری اوپر سے سینہ زوری کی مثال تھیں۔

"مجھے ابا کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اتنی مشکل سے شادی کے بعد وہ ذرا نرم پڑے تھے اور اب پھر......" وہ چپ ہو گئے۔ ان کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ کچھ چھپانہ تھا۔

"اب تم بھی کچھ کہو۔" عمارہ نے سر جھکا کر خاموش سومہ سے کہا۔

"ہاں، تم کچھ الٹی سیدھی حرکت مت کرنا بلکہ کوئی کچھ نہیں کہے گا، اس بار صرف میں بات کروں گی۔ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہی ہو جائے تو اچھا، اب تو ہم ہی پہل کر دیں گے تعلقات ختم کرنے میں۔ آپ کو باپ سے ملنا ہے تو ملتے رہیں اب ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہوگا ان سے۔" صاعقہ نے ایک اور فیصلہ سنایا۔

"ایسا انتہائی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔" اصغر بیگ نے سختی سے کہا۔

"بہت سن لی آپ کی، اب آپ مجھے اور بچوں کو مجبور نہ کریں، ہم آپ کو نہیں روکتے مگر آپ ہم سے امید نہ رکھیں۔"

اصغر بیگ غصے میں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے وہ کچھ کہتے اس سے پہلے سومہ کی آواز ابھری۔

"مجھے لگتا تھا آپ دونوں نے میرے ساتھ ہمیشہ بہت غلط کیا، اپنے ساتھ ہوئی ناانصافی کا مجھے ہمیشہ افسوس رہا لیکن آج میں پہلی بار اس کے لیے خوش ہوں ممی کہ میں آپ سے، عمارہ، ماذیہ جتنی قریب نہیں، میرے اندر نفرت نہیں۔"

"کیا۔ بکواس ہے اب یہ؟" عمارہ کی آواز اونچی تھی۔

"ابو!" وہ باپ کی طرف مڑی۔ "آپ نے کبھی دادا ابا سے پیر پکڑ کر، ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی؟ ان سے کہا ان کی نافرمانی کا آپ کو پچھتاوا اور افسوس ہے؟ انہیں ناراض کر کے ایک جائز کام کیا اور پھر انہیں راضی کرنے کے لیے ان کی اتنی ناجائز باتیں مانتے گئے کہ آپ کا اور ممی کا اس کو لے کر ہمیشہ جھگڑا ہوتا رہا۔ آپ نے اپنے گھر اور اپنے

والد کے لیے کوئی حد مقرر ہی نہیں کی کہ اس حد سے آگے جا کر دونوں میں سے کس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

آپ دونوں کی لڑائیوں کے دوران سنی باتوں اور اس ماحول کا اثر ہے کہ آپ کے بچے تایا، تائی دادا اور کزن جیسے رشتوں میں اور ان رشتوں کے لیے اپنے جذبات میں خلوص اور محبت شامل نہیں کر سکے اور آج ہمارا یہ حال اسی وجہ سے ہے ابو کہ یہاں بیٹھ کر جھوٹے سچے پلان بنا رہے ہیں۔

صرف فاصلے اور برائی ہی نہیں بلکہ ان کی تکلیف اور پریشانی سے حظ اٹھانے والی بیمار سوچ نے ماذیہ سے فون کروایا تھا، اس کے اس جھوٹ نے دادا ابا کو ہمیشہ کے لیے منا لینے کا موقع دیا، آپ نے بیٹی کی مرضی، اس کی خوشی نظر انداز کر کے اسے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور اب......" اس نے ماں کی دیکھا۔

"اب ایک اور غلطی کے جواب میں معافی مانگنے کے بجائے آپ خود کو شرمندگی اور ندامت سے بچانے کے لیے جھوٹ کہیں گے اور اپنے مطلب، انا اور نفرت، محبت کے لیے پھر بیٹی کی مرضی اور خوشی داؤ پر لگائیں گے۔ دادا ابو اور تایا ابا کی فیملی کے لیے آپ کی جو سوچ ہے۔ وہ آپ کو اس سے آگے بڑھنے ہی نہیں دیتی، اب بھی آپ کو یہ سوچنے کی فکر نہیں کہ حالات اس نہج پر آئے تو کیسے اور کیوں، آپ کی اولاد میں اتنا زہر اور نفرت بھری ہے کہ ماذیہ کو زندگیوں سے کھیلنا بھی ہنسی مذاق لگا اور آپ اب بھی اس پر فکر مند نہیں، آپ کے رویوں نے بچوں کی زندگی اور مزاج کس قدر بگاڑ دیے ہیں، اس پر سوچنے کے بجائے آپ اب بھی الٹے سیدھے طریقوں سے ان لوگوں سے نپٹنے کا سوچ رہے ہیں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"میری سوچ آپ سب سے مختلف ہے، مجھے جھوٹ اور فریب کا سہارا نہیں چاہیے۔ مجھے اپنی شادی بچانی ہے اور اس کے لیے جو کرنا ہوگا، میں کر لوں گی۔"

"زیادہ جذباتی مت بنو سومہ۔" عمارہ نے سختی سے کہا۔ "تمہیں کب سے دنیا اور لوگوں کی اتنی سمجھ آ گئی ہے؟ ممی اور ابو تم سے زیادہ سمجھدار اور تجربہ کار ہیں، وہ جو کہہ رہے ہیں چپ، چاپ کرو۔"

"اپنے معاملات میں خود سنبھال لوں گی، کوئی میرے لیے کچھ نہ کرے۔"

"سومہ! تم ایثار کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ایسا ہی ہوگا ہم اس۔"

"میرے بارے میں سوچنے یا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ممی۔" اس نے صاعقہ کی بات کاٹی تھی۔

"آپ دونوں وہی کریں جو اب تک کرتے رہے ہیں، آپ دونوں کا مقصد ہی الگ ہے، ابو دادا ابا کو راضی اور خوش رکھنا چاہتے ہیں چاہے اس کوشش میں بیوی بچے ناراض ہوتے رہیں اور ممی یا زودوالے کے ساتھ ہمیشہ محاذ کھلا رکھنا چاہتی ہیں پھر بھلے گھر کا سکون برباد ہو، بچے برباد ہوں۔ مبارک باد کہ آپ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔"

"سومہ......" ابو اٹھ کر اس کے پاس آئے۔

"ابھی ابھی میں نے اپنی ترجیحات طے کی ہیں، اب مجھے خود ہی میری زندگی اور گھر سنبھالنے دیں، مجھے میرا مقصد پورا کرنے دیں ابو۔"

پیچھے سب اسے آوازیں دیتے مگر وہ رکی نہیں۔

"جانے دیں، جب وہاں کوئی بنے گا نہیں تو خود ہی آ جائے گی۔" عمارہ نے ماں باپ کو تسلی دی۔

کیاری پھلانگ کر اس طرف آتے ہوئے اس کے ذہن میں ایثار کی باتیں گونج رہی تھیں جن پر اسے اس وقت یقین نہیں تھا۔ رشتوں میں واضح ترجیحات اور امن سکون کی چاہ ہو تو کچھ مشکل ناممکن نہیں رہتا۔ وہ پہلے اپنے کمرے میں جا کر ایثار سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن راہداری میں جانے سے پہلے ہال سے آتی دادا ابا کی آواز پر وہ دروازے کے باہر

رک گئی۔

"کیوں بحث کر رہے ہو، تم نے اس وقت جیسے بات مان لی تھی اب بھی مان لو۔"

"دادا ابا! یاد کریں، آپ نے عمارہ کا نام لیا تب میں نے صاف انکار کر دیا تھا، ان کے نہ کرنے سے پہلے ہی۔ اس کے بعد آپ نے سومہ کا کہا تو میں نے ہاں کی تھی۔ شادی کوئی معمولی بات نہیں تھی، ساری زندگی کا سوال تھا، اب بھی بالکل وہی سچویشن ہے۔ ساری عمر کا سوال ہے، معمولی بات نہیں۔" وہ اس انکشاف پر حیران تھی۔

"سب کچھ جاننے کے بعد بھی تم کیوں ضد کر رہے ہو؟" الفت اب بھی اتنی ہی برہم تھیں۔

"مازیہ کی غلطی کی سزا میں سومہ کو نہیں دے سکتا۔ آپ سب کے لیے۔ قابل قبول اس لیے نہیں کہ آپ کے نزدیک انصاف کی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"ایثار!" اشرف بیگ کی تنبیہی آواز آئی۔

"گستاخی معاف ابو! لیکن یہ سچ ہے دادا ابا کا رویہ چاچا کی فیملی کے ساتھ متعصبانہ رہا ہے اور باقی سب کا بھی اور شاید ان ہی رویوں کا اثر ہے کہ مازیہ نے وہ حرکت کی، میں اسے درست نہیں کہہ رہا مگر سب کو اپنا احتساب کرنے کی ضرورت ہے، میں ہمیشہ آپ سب کی بات مانتا رہا کہ میرے لیے گھر کا سکون و امن ہمیشہ اولین ترجیح ہے اور مجھے کسی نے کہا ہے عدل کے بنا امن ممکن نہیں، اگر اس وقت میں نے سومہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو ساری عمر سکون کے لیے ترستا رہوں گا، وہ ہی برائی، نفرت اور انا کی کہانی دہرائی جائے گی، میں آپ سب کی بات نہیں مان سکتا، سومہ کو چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں۔"

"تو پھر تم اسے لے کر اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جا سکتے ہو۔"

دادا ابا کی سرد آواز اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گئی۔ وہ ایثار کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے لیے یہ دو ٹوک تھا۔ وہ اپنا اصول توڑ کر اس طرف آئی تھی لیکن کیا ایثار بھی ایسا کرے گا؟ وہ چپ تھا اور سومہ کا دل بھی رکا ہوا تھا۔

"بابا! امی!" کچھ دیر بعد ایثار کی آواز ابھری۔

"اگر آپ دونوں کا بھی یہ ہی فیصلہ ہے تو میں سومہ کو لے کر چلا جاؤں گا۔" امن کی جو قیمت اس وقت اس سے مانگی گئی تھی، وہ امن کے منافی تھی۔

انہیں بیچ کی راہ نکالنا تھی۔ وہ اندر جانے کے لیے آگے بڑھی لیکن اس سے پہلے پیچھے سے مازیہ دوڑتی ہوئی اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا پیچھے وہ سب شاید اسے روکنے بھاگے آ رہے تھے۔ سومہ ہال کے اندر داخل ہو کر دروازے میں رک گئی۔

"دادا ابا! میں نے ہانیہ کو فون کیا تھا، میں اپنی غلطی مانتے ہوئے آپ سب سے معافی مانگنے آئی ہوں......" وہ سر جھکا کر دادا ابا کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹے۔

"آپ مجھے معاف کریں یا سزا دیں، مجھے سب منظور ہے، کہیں گے تو میں ہانیہ اور اس کے گھر والوں سے بھی معافی مانگ لوں گی بس آپ اس کی سزا آپی کو نہ دیں۔" سب دم بخود تھے۔ مازیہ مسلسل رو رہی تھی۔

"یہ تربیت کی ہے تم نے بیٹیوں کی؟" دادا ابا نے دروازے کے اس طرف کھڑے بیٹا، بہو کو دیکھا۔ ان کا لہجہ تحقیر بھرا تھا۔

"دادا ابا! آپ نے کبھی نثار بھائی اور ایثار بھائی کو ڈانٹا نہ ان پر چیخے چلائے، آپ ہمیشہ ان سے نرمی اور پیار سے پیش آتے تھے، آپ ان کے نام لیتے تھے اور ہمیں اے لڑکی کہہ کر بلاتے تھے، مجھے آپ کا ان کے لیے یہ پیار اچھا نہیں لگتا تھا، میں ان کی وجہ سے آپ کو نادم اور پریشان دیکھنا چاہتی تھی، میں چاہتی تھی، آپ ایک بار تو ان سے اسی حقارت اور غصے سے بات کریں جیسے ہم سے کرتے ہیں......" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

غلطیاں، کمیاں اور زیادتیاں بھی اتنی محسوس نہ ہوں اگر موازنے کے لیے کوئی اور نہ ہو۔

"مجھے نہیں پتا تھا ہانیہ ایسا انتہائی قدم اٹھا لے گی، میں نے وہ سب اس لیے کہا تھا کہ ایثار بھائی کے بارے میں یہ افواہ اور اس وجہ سے شادی ٹوٹ جانے کی شہرت پر آپ کی بہت سبکی ہوگی اور آپ......" اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسوؤں کی زیادتی بولنے میں رکاوٹ بن رہی تھی۔

"آپ کا رویہ ایک بار تو ان کے ساتھ ویسا ہوگا جیسا ہمارے ساتھ ہے، آپ ان پر غصہ ہوں گے، ڈانٹیں گے، برا بھلا کہیں گے......" ستم ظریفی یہ تھی کہ دادا ابا نے پھر بھی ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

"تم اپنے گھٹیا کرتوت کا الزام مجھے دے رہی ہو۔" دادا ابا کی آواز جذبات کی زیادتی کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔

"تن...... نہیں...... نہیں......" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر جھٹ سر جھکا لیا۔ سومہ آنسو ضبط کرتی آگے آئی۔ اس کے اندر سکون اتر آیا تھا۔ اسے دونوں گھروں کے بیچ سچائی اور ایمان داری کا فقدان ہی تو بے چین رکھتا تھا جو اس وقت ختم ہوا تھا۔

"مازیہ!" وہ اس کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔ "تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے لیکن یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں اس کا احساس ہو گیا۔"

اس نے انگریزی میں کہتے ہوئے اسے گلے لگایا۔ وہ دونوں آواز سے رو رہی تھیں۔

"دیکھ لیں اب یہ بے غیرتی بھی۔" الفت نے قہر آلود نظر صاعقہ، اصغر بیگ اور عمارہ پر ڈالی۔

"یہ بے غیرتی نہیں ہے امی۔" ایثار ان دونوں کے قریب آیا۔

"مازیہ نے نہ صرف اپنی غلطی کا اقرار کیا ہے بلکہ سب سے معافی بھی مانگی ہے، اگر کوئی اپنی غلطی جان کر معافی مانگے تو اعلیٰ ظرفی یہ ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔" اس نے جھک کر سومہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے بہن کو خود سے الگ کیا اور اسے لے کر کھڑی ہوئی۔

"رویے بھی رنگ، قد اور نقوش کی طرح نسل در نسل آگے بڑھتے ہیں، دادا ابا کا عدم انصاف، نفرت اور تعصب آپ میں آیا اور ان سے ہماری جنریشن میں......" اس نے ہال اور ہال کے باہر موجود افراد کو مخاطب کیا تھا۔

"آپ سب کے اختلافات اور ناپسندیدگی کے باوجود میں اور سومہ ساتھ رہیں گے، ہم بچے نہیں نہ یہ کوئی کھلونے اور چاکلیٹ کی بات ہے کہ آپ کہیں بیٹا لے لو تو تھام لیا اور کہیں تمہارے لیے ٹھیک نہیں تو واپس کر دیا۔ اس بات پر ہم کوئی کمپرومائز نہیں کریں گے، کسی کو منانے کی کوشش کریں گے نہ اس بات پر شرمندہ ہوں گے، نہ اس بات پر اپنے بچوں کے ساتھ کوئی نامساوی برتاؤ ہونے دیں گے۔ یہ نفرت، تعصب اور ناانصافی اگلی جنریشن میں نہ جائے، اس کے لیے کسی کو تو یہ سلسلہ توڑنا ہوگا، یہ کام آج میں اور سومہ کرتے ہیں، ہمیں دادا ابا، مازیہ یا آپ کسی سے شکایت نہیں، اگر کبھی تھی تو آج ہم ختم کرتے ہیں، ہم کسی کے لیے دل میں برائی یا غصہ نہیں رکھیں گے، ہمارے بچوں کے دل میں آپ سب کا یکساں احترام اور محبت ہوگی، ہم اپنے رویے اور سلوک سے ان کے دل میں نفرت اور تعصب نہیں بھریں گے، آپ ہمیں قبول کریں نہ کریں اس سے......"

"مجھے قبول ہے۔" اشرف بیگ کی بھیگی سی آواز پر سب چونکے تھے۔

"مجھے بھی۔" ذرا دیر بعد مازیہ کی دھیمی ڈری سہمی آواز آئی۔

حالانکہ مازیہ کی قبولیت کی اہمیت نہیں تھی لیکن چھوٹی ہی سہی پہل مشکل ہوتی ہے، چاہے پرانی زنجیر کا پہلا حلقہ توڑنا ہو یا نئے آغاز کا پہلا قدم دھرنا ہو اور آج یہ دونوں مشکل کام ہو چکے تھے۔ ایک زنجیر ٹوٹی تھی اور ایک نازک سی زنجیر آہن سے زیادہ مضبوط ہوئی تھی۔

☆☆☆

زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔ الفت کا رویہ پہلے سے زیادہ روکھا تھا۔ دادا ابا اس کے ساتھ بالکل چپ تھے مگر ان دونوں نے اپنے رویے پہلے سے ہی رکھے تھے۔ مازیہ کا زیادہ وقت ادھر گزرنے لگا تھا کہ یہاں اس کے ہم خیال زیادہ تھے۔ وہ اشرف بیگ کے ساتھ جا کر ہانیہ کے گھر والوں سے بھی معافی مانگ آئی تھی۔

گھر کا کھنچا کھنچا اور سرد ماحول دیکھ کر اشرف بیگ نے انہیں الگ ہونے کا مشورہ دیا تو ایثار نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا اور اس نے سب کے ساتھ رہنا چنا۔

اس نے رشتوں میں اپنی ترجیحات طے کر لی تھیں، اب ان کے لیے کچھ بھی کرنے میں اسے تامل نہیں تھا اس کے لیے اگر عدل کا ترازو ڈولتا رہے، اسے یہ بھی منظور تھا اور ایثار کو اب امن قائم رکھنے کی کوشش میں عدل نہ پیچھے رہ جائے، یہ خیال رہتا تھا۔

ان سے پہلے بڑوں نے نفرت، ناراضی، بدلہ، ملال اور ندامت جیسے اچھے اور برے احساسات کی بیڑیوں سے خود کو باندھ رکھا تھا لیکن ان دونوں نے اپنے اصولوں اور فلسفوں کو بیڑوں کی زنجیر بننے سے روک دیا تھا۔

کچھ مزاج اور لوگ کسی نازک لمحے میں، لفظوں کے نشانے پر لگتے ہی بدل جاتے ہیں جیسے اشرف بیگ اور مازیہ کے ساتھ ہوا تھا، کچھ بدل بھی رہے ہوں تو پردہ ڈالے رہتے ہیں کہ یہ ان کے لیے شکست تسلیم کرنے جیسا ہوتا ہے، انہیں انا سب سے عزیز ہوتی ہے جیسے دادا ابا اور کچھ وقت اور صبر طلب ہوتے ہیں جیسی ان سب کو الفت، صاعقہ اور اصغر بیگ سے امید تھی اور کچھ بقول مازیہ کتے کی دم کی طرح ہوتے ہیں جیسے عمارہ۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عمارہ کے لیے انکار کر کے میرے لیے ہاں کی تھی؟"

"بتانے سے کیا ہوتا؟"

"تھوڑی تو تسلی ہوتی کہ تمہارے ساتھ زبردستی نہیں ہوئی ہے۔"

"یہ تم اب کہہ رہی ہو، تب مشکوک ہو جاتا تھا۔"

"ہاں......!" اسے یاد آیا۔ تم نے کہا تھا تم نظر باز نہیں۔"

"اس پر تو میں اب بھی قائم ہوں۔" سومہ نے گھورتے ہوئے منہ پھلایا۔

"ایک منٹ...... تم کیا سمجھ رہی ہو...... ہاہاہا......" سمجھ میں آتے ہی وہ زور سے ہنسا۔

"تمہیں لگ رہا ہے، میں پہلے سے تمہیں پسند کرتا تھا؟" اس نے منہ نہیں کھولا لیکن جواب واضح تھا۔"

"تو اپنی یہ خوش فہمی دور کر لو، میں اپنی اس بات پر اب بھی قائم ہوں کہ شادی سے پہلے والی تم مجھے یاد نہیں۔"

"پھر؟" اسے یہ سچائی کوئی خاص پسند نہیں آئی۔

"عمارہ مجھے پسند نہیں تھی لیکن تم نہ اچھی لگتی تھیں نہ بری مطلب رسک لیا جا سکتا تھا۔"

"کسی کا دل دکھے، اتنا سچ مت کہا کرو۔" وہ اٹھ کر جانے لگی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"اب تو تم ہی پسند ہو اور بے حساب پسند ہو، میں تو مازیہ کا شکر گزار ہوں، ساری عمر اس کا احسان مند، اس کا قرض دار رہوں گا، کبھی کبھی رات بھر نیند نہیں آتی کہ اگر اسے فون کال کا آئیڈیا نہ آیا ہوتا تو کیا ہوتا...... اس کے آگے نیند اڑ جاتی ہے، لگتا ہے یہ سب خواب نہ ہو، صبح جاگوں اور تم میرے پہلو میں ہونے کے بجائے بازو کے گھر میں ہو......"

"اتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہو اور لے لیا بدلہ!" اس نے منہ پھلا کر اس کی بات کاٹی۔

"ہاہ! کون سا اور کیسا بدلہ یار؟"

"اتنا گھما پھرا کے تو میں نے بھی نہیں کہا تھا۔"

"ہاہاہا......" ایثار کا قہقہہ چھت پھاڑ قسم کا تھا۔

☆☆

Watermarkly

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راھٹرز کے لئے آفر بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ آپ کے ناولز کے کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھاہیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM